اے بی سی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

لہ دعوۃ الحق

فون نمبر ڈائریکٹ ڈائلنگ سسٹم ۳۴۰ / ۳۴۱

۴۳۵

کوڈ نمبر ۵۲۳۱۷

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ **الحق** اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۲۳

شمارہ ۷

شعبان، رمضان ۱۴۰۸ھ

اپریل ۱۹۸۸ء

مدیر

مولانا سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک پاکستان میں سالانہ ۴۰ روپے۔ فی پرچہ ۴ روپے۔ بیرون ملک بحری ڈاک ۶ پونڈ۔ بیرون ملک ہوائی ڈاک ۱۰ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

- پارلیمنٹ کے اندرونی گیٹ پر علماء حق کا کامیاب احتجاجی مظاہرہ
- اوجڑی کیمپ راولپنڈی میں بموں کے دھماکے اور سینٹ میں مولانا سمیع الحق کا خطاب۔
- جنیوا معاہدہ اور جمعیۃ علماء اسلام کا موقف

۷ اپریل کو جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی اور چاروں صوبوں کے رہنماؤں اکابر علماء اور مشائخ نے قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق کی قیادت میں صدر ضیاء الحق کے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کے موقع پر پارلیمنٹ کے اندرونی گیٹ پر شریعت بل کے حق میں تقریباً تین گھنٹے تک کامیاب احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین صدر، وزیر اعظم ارکان پارلیمنٹ و دنیا بھر کے ممالک کے سفراء اور مندوبین کی اجلاس کیلئے آمد اور اجلاس کے اختتام پر واپسی پر شریعت بل کے حق میں زبردست احتجاجی مظاہرہ کرتے رہے۔ قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق نے بعض مرکزی وزراء، خود وزیر اعظم جونیجو اور صدر ضیاء الحق کو بھی کچھ دیر روک کر انہیں پوری قوم کے جذبات اور متفقہ مطالبے "فوری نفاذ شریعت" سے آگاہ کیا۔ صدر، وزیر اعظم اور مولانا سمیع الحق کے درمیان اس موقعہ پر جو گفتگو ہوئی اس کے آخر پر مولانا سمیع الحق کو کہنا پڑا

جناب! اب یہ مسئلہ تقریروں سے حل نہیں ہوگا اب لوگ پاکستان میں عملاً نفاذ شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جب بات مزید آگے بڑھی تو مولانا سمیع الحق نے کہا

جناب! آپ ہمیں قتل کر دیں، روند ڈالیں یا گڑھے میں ڈال دیں جو کچھ بھی کرنا چاہیں کر لیں مگر عملاً نفاذ شریعت کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے (نوائے وقت راولپنڈی ۱۰ اپریل)

اسی گفتگو کے دوران مولانا سمیع الحق نے "شریعت بل منظور کرو ورنہ کرسی چھوڑ دو" "نفاذ شریعت سے گریز کی راہ اختیار کر کے خدا کے غضب کو دعوت نہ دو" "شریعت نافذ کرو منافقت چھوڑ دو" کے نعروں پر مشتمل کتبات کا ایک ہار بھی صدر ضیاء الحق کے گلے میں ڈال کر حق گوئی اور بیباکی اور جرأت و شجاعت کا ایک تاریخی ریکارڈ قائم کیا۔

ہم علماء کے اس تاریخی احتجاجی مظاہرے، سلطان جائر کے سامنے مولانا سمیع الحق کے برملا اظہار حق کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ارباب حکومت کے لئے ایک ڈھیل اور مہلت ایک انذار و انتباہ اور اتمام حجت سمجھتے ہیں۔

الحمد للہ کہ علماء حق کے مساعی جمیلہ اور تدبیر و حکمت سے جس تحریک کا آغاز ۸۵ء کے الیکشن میں حصہ لینے، اسمبلی میں اہل علم اور دینی قوتوں کی نمائندگی کرنے اور فوجی جرنیلوں کے ایوان میں شریعت بل پیش کرنے کی صورت میں اذان حق

لینے سے ہوا تھا۔ وہی تحریک دینی قوتوں کے اتحاد شریعت محاذ کے قیام، افغان مجاہدین کی حمایت، جمعیۃ علماء اسلام کا ہفتہ جہاد افغانستان، خمینی ازم کے خلاف سنی محاذ کے قیام۔ ۴ر مارچ کو لاہور میں تاریخی نظام شریعت کانفرنس۔ گول میز کانفرنس میں مسئلہ افغانستان پر ٹھوس موقف اور باہر سے تمام دینی قوتوں کا اس کی حمایت میں متفقہ فیصلہ، شریعت بل پر وزیر اعظم کے چیلنج کا جواب، معراج محمد خان بزنجو، پلیجو اور فتحیاب جیسے لادینی قوتوں کا تعاقب۔ جینوا معاہدہ پر دستخط کرنے کے قریبی مرحلہ کے وقت افغان قیادت کو اسلام آباد ہوٹل میں مولانا سمیع الحق کا استقبالیہ اور متفقہ موقف کے اعلان کے مراحل سے گذر کر اب آخر میں ۷ر اپریل کو علماء کے مظاہرے میں حکمرانوں کے گریبان میں ہاتھ ڈالنے اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نفاذ شریعت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے عزائم کے اظہار کے مراحل تک آن پہنچی۔

صرف علماء یا تحریک نفاذ شریعت کے کارکنوں ہی کا نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے سب کا یہ فریضہ منصبی ہے خواہ وہ حکمران ہوں یا سیاست دان۔ عوام ہوں یا علماء۔ افراد ہوں یا جماعتیں اپنی زمام کار عملاً بھی اسلام کے ہاتھ میں دینی ہو گی۔ جو سروری و جہانبانی، امن و حکمرانی اور قیادت کا ایک جامع نظام ہے جس نے انسانی روح کو اوہام و خرافات ذلت و رسوائی تباہی و ہلاکت مرض و فساد ظلمت و ضلالت ناپاکی و گندگی کمزوری و ناتوانی ظلم و سرکشی انتشار و بے چینی قومی عصبیت سماجی طبقہ واریت اور جابر سلاطین کے ظلم و استحصال سے رہائی دلا کر حریت پسندی عقیدہ و اخلاق کی پاکیزگی یقین و معرفت عدل و انصاف امن و سکون متوازن ارتقاء عمل پیہم اور سعی مسلسل کے عروج تک پہنچایا۔ اسلام میں بے حیائی کی تمام قسمیں عصبیت کے تمام محرکات فساد کے تمام ترغیبات ممنوع اور خلاف قانون ہیں جس کے عملی نفاذ سے بداخلاقی قانون شکنی نفس پرستی اور عشرت پسندی کا رجحان مغلوب ہو جاتا ہے۔

لہذا حالات کا تقاضا وقت کی ضرورت قیام امن کی اہمیت، ایک مسلمان کی حیثیت سے اور پھر نظریہ پاکستان کی پاسداری کے پیش نظر ارکان پارلیمنٹ ارباب حکومت بشمول وزیر اعظم و صدر مملکت سب کا یہ فرض تھا کہ منصب اقتدار پر براجمان ہونے کے ساتھ ہی، نفاق کے بجائے ایمان شک کے بجائے یقین وقتی فوائد کے بجائے مستحکم عقائد موقع پرست ذہنیت کے بجائے حق پرست ضمیر عقل مصلحت بین کے بجائے عشق مصلحت سوز اور جذبہ ایمان و اسلام سے کام لے کر بغیر کسی ریب و تردد اور تذبذب اور تاخیر کے خالق ارض و سما کا عطا فرمودہ آسمانی اور روحانی نسخہ امن و سلامتی نظام شریعت فوراً نافذ کر دیتے جس کا جامع آئینی خاکہ جمعیۃ علماء اسلام کے رہنماؤں نے ایوان بالا سینٹ میں شریعت بل کے نام سے پیش کیا اور جس پر تمام مکاتب فکر کے علماء متفق ہیں۔

اگر ارباب اختیار محض شہرت، تحفظ حکومت، ہوس اقتدار غیر ملکی اشاروں یا محض جہالت اور ناعاقبت اندیشی کے جنون میں مبتلا نہ ہوتے۔ نفاذ شریعت سے مسلسل اعراض و انکار کر کے قہر خداوندی کو دعوت نہ دیتے اور جمہور اہل اسلام

کا دیرینہ اور متفقہ مطالبہ منظور کر لیتے تو آج کاروانِ حق کے علماء حق کا پارلیمنٹ کے اندرونی گیٹ کے سامنے تاریخی احتجاجی مظاہروں اور قائد جمعیتہ مولانا سمیع الحق کے صدر اور وزیر اعظم کو ایوان کے گیٹ پر روک کر ان سے الجھنے اور حکمرانوں کی رسوائیوں کی نوبتیں بھی نہ آتیں اور خود دارالحکومت میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی اور قہر و غضب کے آثار تنبیہات اور تباہی و ہلاکت کے ہولناک مناظر اور قیامت صغریٰ کے حالات سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

کاش ! ارباب حکومت اور اہل بصیرت اپنے لئے اسے تازیانہ عبرت سمجھ کر مستقبل کے تعمیر کی فکر کرتے اور نظام شریعت سے بغاوت اور جمہور اہل اسلام کے متفقہ مطالبہ شریعت بل سے اعراض و انکار اور تاخیر و التوا کے حربوں سے باز آ کر اس کے نفاذ و منظوری کی سبقت و سعادت کا شرف حاصل کر کے تباہی کے کنارے لگے ہوئے ملکی بیڑے کی حفاظت و سالمیت کا اہتمام کرتے ؎

نہ جانے پھول اُگیں گے کہ آگ برسے گی
تغیرات کی زد پہ ہے گلستاں اپنا

---

۱۰ اپریل کی صبح کو دارالحکومت راولپنڈی میں اس وقت قیامت صغریٰ برپا ہو گئی جب ڈیوٹی پر تعینات افسروں کی بے احتیاطی یا کسی غیر ملکی بڑے ہاتھ کی تخریب کاری کے نتیجے میں اوجڑی کیمپ راولپنڈی میں دھماکہ ہوا، بم تھے کہ اُبل پڑے، مکانات، محلات، کھیل کود کے میدان۔ بازار، سینما گھر غرض اسلام آباد اور راولپنڈی میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو بموں کے تباہ کن اور ہولناک مناظر سے محفوظ رہی ہو۔ ایک سو جانیں لقمہ اجل بنیں اور ایک ہزار افراد زخمی و مجروح ہوئے اور سینکڑوں افراد لولے لنگڑے اور اپاہج ہو گئے کئی خاندان اجڑ گئے اور سینکڑوں بچے یتیم رہ گئے۔ دیدہ عبرت وا ہوتی تو اسے تازیانۂ عبرت سمجھ کر ہمیشہ کے لئے قوم ملت کی سدھار کا فیصلہ کر لیا جاتا اور اس قیامت صغریٰ کے ابتلا سے اذا زلزلت الارض زلزالھا ہ واخرجت الارض اثقالھا ہ وقال الانسان مالھا ہ یومئذ تحدث اخبارھا ہ بان ربک اوحی لھا ہ الخ فَفِرُّوا إِلَى اللَّه اور اس طامۃ الکبریٰ کے ہولناکیوں کے لئے تیاری کا واقعی کچھ سامان بھی فراہم کر لیا جاتا۔

مگر ہوا کیا ؟ تین روز تک قومی سطح پر سوگ منانے اور متاثرین کے لئے معاوضے اور آئندہ بھرپور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے اعلانات اور وعدے کئے گئے مگر کیا اس قدر زبانی جمع خرچ ٹی وی اور ریڈیو پر بیانات اور اخباری شہ سرخیوں سے اصل درد کا مداوا ہو سکے گا۔ علماء حق کے احتجاجی مظاہرے، پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کے خطاب سے قبل مولانا سمیع الحق کا صدر ضیاء الحق سے نفاذ شریعت کا بھرپور مطالبہ اور انتباہ۔ جواباً حسب روایت صدر کے اسلام کی محبت میں مگرمچھ کے آنسو بہانا اور عملاً اپنی ڈگر پر قائم رہنا۔ دوسری طرف ایک بھارتی اداکار دلیپ کمار کی پاکستان آمد، سرکاری سطح پر اس کی زبردست پذیرائی، وزرائے اعلیٰ، مرکزی وزراء، وزیر اعظم اور صدر پاکستان کا استقبالیوں اور تقاریب

میں اس کے گرد گھومتا، راولپنڈی میں دھماکے والی شب، رات گئے تک دارالحکومت کے ذمہ دار افسروں اور مقامی انتظامیہ کے سربراہوں تک کا لیاقت جمنازیم میں راگ رنگ رقص و سرود اور طاؤس و رباب کی محفلیں برپا کرنا جس میں ملک بھر کے فنکاروں ایکٹروں اور ڈانسروں نے لہو و لعب کا ریکارڈ قائم کیا۔ عریانی و بے حیائی کو نچوایا گیا۔ غلط روی اور جنسی انگیخت کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اقتدار کے ذمہ دار افراد طرب و نشاط اور جوش مسرت میں دھنوں کی آہنگ میں سر ہلاتے اور تالیاں پیٹتے رہے۔ رنگ رلیوں شہوانی انگیخت اسلام بیزاری بے اعتقادی گمراہی بے راہ روی اور اخلاقی انارکی کے ثقافت کے نام سے ایسے زہریلے ٹیکے لگوائے گئے کہ اسلامی ثقافت مذہبی ذہنیت اور حیا و شرافت کا جنازہ نکال دیا گیا اور یہ حکمران طبقہ قصداً ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ اسلامی نظام کو اپنانے کی بجائے اسے راستے کی رکاوٹ باور کرایا جائے۔ اداکارہ لیپ کمار کی آمد اور تقاریب کی خبروں کو نشریاتی اداروں اور اخبارات نے جس انداز سے لیا اس سے قصداً ارباب بست و کشاد قوم کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ تار و خمار رقص و سرود عیاشی و فحاشی رنگ رلیوں اور بے راہ روی ہی میں ان کی نجات اور قومی ترقی کا راز مضمر ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

ان کا مقصد یہ ہے نفاذ شریعت کی حمایت میں نوجوانوں کے ہاتھ حکمرانوں کے گریبانوں میں پڑنے کے بجائے دامِ عیش میں ہلتے رہیں اور رقص و سرود کی محفلوں میں تالیاں بجاتے رہیں۔ جب قوم مجموعی طور پر خوابِ غفلت اور دامِ عیش کی لمبی چادر تان کر سو گئی۔ علماء حق نے اتمام حجت کر کے سلطان جائر کے سامنے کلمۂ حق کہہ دیا شہر یار نے حسب سابق پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں اسلام کے درد سے معمور اور عشق و محبت کے جذبات سے بھرپور طویل ترین خطبہ پڑھا اور اس کے ساتھ ہی خلوتوں میں کار دیگر کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی بھی فرمائی تو قدرت نے انذار و انتباہ کے لئے اپنی سخت گیری اور آخرت کی ہولناکیوں کی ایک جھلک دارالحکومت میں بموں کے تباہ کن دھماکوں کی صورت میں دکھادی۔

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝

اور ہم انہیں قریب کا عذاب بھی علاوہ اس بڑے عذاب کے چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ باز آجائیں۔

اس موقعہ پر جمعیۃ علماء اسلام کے سکریٹری جنرل مولانا سمیع الحق نے ایوان بالا سینٹ میں اپنی تحریک التوا پر جو خطاب فرمایا اس کی مفصل رپورٹ تاحال موصول نہ ہوسکی تاہم خلاصہ یہ تھا کہ

" یہ حادثہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو مسلسل دعوت دیتے رہنے کا نتیجہ ہے ارباب اقتدار نے ملک کا رخ غلط سمت پر موڑ دیا ہے پوری قوم کو رقص و سرود اور فنکاروں اور کھلاڑیوں کے لہو و لعب میں مصروف کر دیا ہے جس دن یہ حادثہ رونما ہوا اس رات لیاقت جمنازیم میں ملک بھر کے فنکاروں ایکٹروں اور ڈانسروں کی محفل طاؤس و رباب برپا تھی۔ مقامی انتظامیہ کے سربراہان اس میں محو تھے یہاں تک کہ ہسپتالوں میں پوسٹ مارٹم کئے بغیر لاشیں اٹھوانے کا بندوبست بھی نہیں تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ بھارت سے آئے ہوئے ایک اداکار کو ایسا ہیرو بنا دیا گیا ہے گویا کہ وہ کوئی خالد بن ولید یا طارق

بن زیاد ہو اور اس نے اسلام کا کوئی معرکہ سر کیا ہو یہاں تک کہ ملک کا سربراہ اور وزیر اعظم بھی استقبالوں اور تقاریب میں اس کے گرد گھوم پھر رہے ہیں۔ اور تعریفوں کے پل باندھے جا رہے ہیں۔ یہ صورت حال پوری قوم کے لئے شرم کا باعث ہے۔ میں ایوان کے معزز ارکان سے پوچھتا ہوں کہ بھارت میں راجیو گاندھی ہمارے کسی بھی فنکار کی ایسی پذیرائی کر سکتا ہے۔ راولپنڈی کی اس قیامت صغریٰ میں تخریب کاری کے امکانات کا بھی جائزہ لینا چاہئے۔ کیونکہ اس وقت عالمی طاقتیں ہم پر دباؤ ڈال کر مسئلہ افغانستان میں اپنی مرضی کا فیصلہ منوانا چاہتی ہیں۔ ہمیں ہرگز نہیں جھکنا چاہئے۔ علاوہ ازیں ملک بھر میں آبادی کے مقامات اور سرحد میں نوشہرہ، کوہاٹ، حیات آباد، پشاور اور مردان وغیرہ کی گنجان آبادیوں سے بھی اسلحہ ڈپو فوراً منتقل کرنے چاہئیں۔ کہوٹہ کے ایٹمی منصوبے کے تحفظ پر بھرپور توجہ دینی چاہئے۔ نیز راولپنڈی میں اس اندوہناک واقعہ کی تحقیقات کسی فوجی افسر سے نہیں بلکہ سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ٹریبونل کے ذریعہ کرائی جائیں۔"

اگر خدانخواستہ اس قدر تنبیہات اور غیبی ہدایات اور قدرت کے واضح اشارات کے باوجود بھی ہم بحیثیت ایک مسلمان قوم اور ایک آزاد اسلامی ریاست کے نہ ابھر سکے اور توبہ و انابت الی اللہ عمل صالح اور نظام امن و سلامتی اور نفاذ شریعت کی طرف آگے نہ بڑھ سکے تو اندیشہ ہے کہ دنیا میں پھر ایک مرتبہ ایک اور اسپین اور سمرقند اور تاشقند و بخارا اور سقوط ڈھاکہ وغیرہ کی تاریخ دہرائی جائے۔

---

۶ سال کے طویل ترین اور صبر آزما مذاکرات کے بعد بالآخر ۱۴ اپریل بروز جمعرات جنیوا میں ہونے والے معاہدہ پر پاکستان، افغانستان، روس اور امریکہ کے نمائندوں نے دستخط کر دئیے۔ معاہدہ کیا ہے؟ اس کے نتائج و اثرات کیا ہوں گے۔ افغان مجاہدین کو ان کی تاریخی اور عظیم قربانیوں کا بدلہ کیا ملے گا۔ روس نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ پاکستان کے مستقبل اور سالمیت کی حیثیت کیا رہی اور معاہدہ کے سلسلہ میں افغان اتحاد کے راہنماؤں کا ردعمل کیا ہے؟ اس سلسلہ کی تمام تر تفصیلات قارئین کے سامنے نشریاتی اداروں اور اخبارات کے ذریعہ پہنچ چکی ہیں۔

مرکز علم دارالعلوم حقانیہ اور اس کے فضلاء اور جمعیۃ علماء اسلام کے کارکن چونکہ افغانستان کے میدان کارزار میں عملاً شریک رہے جہاد افغانستان کے روز اول سے قائد شریعت حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس کی بھرپور حمایت اور عملاً نصرت و تعاون کا کوئی موقعہ خالی نہیں چھوڑا۔

افغان قیادت کے اتحاد میں دیگر بہت سے اسباب و محرکات کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مساعی کو بھی بڑا دخل ہے۔ اس سلسلہ کی مختصر اور بعض اوقات تفصیلی رپورٹیں بھی قارئین "الحق" میں ملاحظہ فرماتے رہے لہذا جنیوا معاہدے کے نازک اور قریب ترین مرحلہ پر بھی قائد شریعت حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم اور قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق نے احساس مسئولیت، دینی جذبہ اور آزاد افغانستان کے قیام و استحکام کی خاطر پوری عالمی برادری پر افغانستان کے بر سر پیکار

مجاہدین کے ٹھوس موقف کو نظرانداز کرنا اور پاکستان کے غیور مسلمانوں کے تمام دینی قوتوں کی نمائندہ جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے اس کی بھرپور حمایت کا اظہار ضروری سمجھا ۔ چنانچہ افغان مجاہدین کی سات بڑی جماعتوں کے سربراہوں کو ۱۲ اپریل بروز منگل ۳ بجے سہ پہر اسلام آباد ہوٹل میں استقبالیہ دیا جس میں حزب اسلامی افغانستان کے امیر مولوی محمد یونس خالص ، ہفت گانہ اتحاد کے چیئرمین انجینئر گلبدین حکمت یار ۔ حرکت انقلاب اسلامی کے امیر مولوی محمد نبی محمدی ۔ جبہ ملی نجات افغانستان کے امیر مولانا صبغۃ اللہ مجددی ۔ اتحاد اسلامی مجاہدین کے امیر استاد عبدرب الرسول سیاف ۔ افغانستان کے نامزد صدر انجینئر احمد شاہ ۔ جمعیت اسلامی افغانستان کے امیر استاذ برہان الدین ، مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبداللہ الزائد ۔ افغان رہنما مولانا نصر اللہ منصور ، اور پیر محمد گیلانی کے مشیر فاروق اعظم کے علاوہ افغانستان کے میدان جنگ کے کئی ایک جرنیلوں ، سینیٹ اور قومی اسمبلی کے ممبروں ، غیرملکی سفارتی نمائندوں ، علماء ، سکالروں اور ممتاز شہریوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی ۔ افغان قائدین نے مسئلہ افغانستان میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ، مرکز علم دارالعلوم حقانیہ ، کاروان حق جمعیۃ علماء اسلام اور قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق کے افغانستان کی آزادی اور مستقبل کے آزاد ، غیرجانبدار ، اسلامی اور مستحکم افغانستان کے قیام و استحکام کے سلسلہ میں گراں قدر مساعی کو انقلاب آفریں ، موثر اور نتیجہ خیز قرار دیا ۔

مولانا سمیع الحق نے اپنی تقریر میں مجاہدین کی آٹھ سالہ قربانیوں کو عظیم جہاد ، پاکستان کی سالمیت اور دفاع کی جنگ ، اسلام کے وقار ، عالم اسلام کی عظمت اور احیائے ملت کا تاریخی کارنامہ قرار دیا ۔ افغان قائدین نے ایسا معاہدہ جس میں مجاہدین کی نمائندگی نہ ہو جس میں ۵۵ لاکھ مہاجرین کی باعزت واپسی ، روسی فوجوں کا انخلاء اور مستقبل کے آزاد اسلامی افغانستان کے تشخص کی ضمانت نہ ہو متفقہ طور پر مسترد کر دیا ــــ مگر اس سب کچھ کے باوجود بھی معاہدہ ہو گیا ۔

قائد جمعیۃ مولانا سمیع الحق نے ۱۵ اپریل بروز جمعہ جمعیۃ علماء اسلام کے زیر اہتمام اسلام آباد کی جہاد کانفرنس میں جنیوا معاہدہ کو یکسر مسترد کر دیا ۔ کانفرنس کی صدارت امیر مرکزیہ حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے کی ۔ انہوں نے کہا کہ جمعیۃ علماء اسلام پائیدار امن اور صلح چاہتی ہے ۔ جب کہ یہ معاہدہ افغانستان میں نہ ختم ہونے والی خانہ جنگی اور افغانستان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا پیش خیمہ ہے ۔ اس سے افغان مجاہدین اور مہاجرین کے مشکلات ہرگز ختم نہ ہوں گے ۔ پاکستان نے اپنے اصولی اور سچائی پر مبنی موقف سے انحراف کر کے دنیا کے اقوام میں حاصل کردہ نیک نامی کو بدنامی سے تبدیل کر دیا ہے ۔ افغان قوم کی عظیم قربانیوں اور پاکستان کی دفاع کے جنگ کے نتیجہ میں جنیوا معاہدہ کی صورت میں انہیں بے بس کر دینا تاریخ اور عظیم جہاد سے غداری کے مترادف ہے ۔ چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام ۲۹ اپریل سے پورے ملک میں اس معاہدہ کے خلاف یوم سیاہ منائے گی اور رمضان کے بعد پورے ملک میں جہاد کانفرنسیں منعقد کرے گی ۔

(۱۶ اپریل روزنامہ مشرق پشاور)

ایسے حالات میں اہل پاکستان اور افغان قائدین کی ذمہ داریاں اب پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہیں ۔ حزم و احتیاط تدبیر و

مصلحت اور حکمت، دور اندیشی اور نئے انقلاب کے ہر مرحلہ پر پھونک پھونک کر قدم اٹھانا ہوگا۔ مذاکرات کی میز پر اور سیاست کے میدان میں فتح و شکست کا مرحلہ میدان کارزار میں توپ و تفنگ کی جنگ سے زیادہ مشکل اور صبر آزما ہوتا ہے روس کی قوت، سیاسی مکر و فریب دھمکیاں خطرناک منصوبے اور تباہ کن عزائم اور پرزور پروپیگنڈے اپنی جگہ مگر اس سے حق و باطل کے پیمانے تبدیل نہیں ہوتے۔ حق کی فتح اور باطل کی شکست قدرت کا اٹل فیصلہ ہے۔

دنیا نے دیکھا کہ افغانستان میں معرکہ کارزار گرم ہوا تو ڈیڑھ کروڑ آبادی والے ملک کے غیور باشندوں سے ۵۵ لاکھ سے زائد مسلمانوں کو ملک بدر کر دیا گیا چودہ لاکھ سے زائد مجاہدین کو شہید کر دیا گیا بے گناہ شہری آبادیوں پر بمباری، ضعیف مردوں باپردہ عورتوں اور معصوم بچوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ زندوں کا گلا گھونٹنا جیتے جاگتے انسانوں کو جلانا۔ زہریلی گیسوں اور کیمیاوی کھادوں کا استعمال، بغرض ہلاکت خیزی اور آدم کشی کا وہ کونسا جدید سے جدید تباہ کن اسلحہ ہے جیسے مہتے اور بے گناہ افغانیوں کی تباہی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا مگر آزادی کی اتنی بڑی قیمت ادا کرنے کے باوجود بھی مجاہدین کے حوصلے نہیں ٹوٹے۔

آٹھ نو سال سے افغانستان میں روسی تسلط، ظلم و بربریت، خونریزی درندگی و سفاکی جبر و استبداد شرم انسانیت جارحانہ اور وحشیانہ کردار، انسانی ہمدردی اور اخلاقی قدروں سے عاری۔ ننگ شرافت خدا بیزار اور سیہ سینہ شقی کینہ کمیونسٹوں کی آنسوؤں کراہوں اور آہوں میں گندھی ہوئی حصول اقتدار کی طویل ترین اور لاحاصل جنگ سے خود آنکھیں کھل گئیں ناقص معاہدے اور پاکستان کے اپنے موقف سے انحراف کے پیش نظر اب افغان مجاہدین اور اہل پاکستان بالخصوص دینی قوتوں اور عالم اسلام کو نئے دور اور نئے انداز اور اسلامی افغانستان کے قیام بقا و ترقی اور استحکام کے لئے نئے حالات میں خطرات کی سنگینی کے احساس کے ساتھ ساتھ بڑے فکر و تدبر، دوراندیشی، بڑے حوصلہ اور بامقصد انقلاب کے لئے کام کرنا ہوگا۔ بقا اور سلامتی کی راہ صرف اور صرف انابت الی اللہ نفاذ شریعت باہمی اتحاد یک رنگی اور جرأت استقامت اور صحیح موقف میں ہے۔

ہماری دعا ہے کہ افغان قائدین پاکستان کے ارباب بست و کشاد اور عالم اسلام کے ارباب علم و بصیرت، ذمہ داران قوم و ملت، رہبران اسلام اور سربراہان ممالک نئے آزاد، اسلامی اور مستحکم افغانستان کے قیام اور اس کی تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں ٹھوس اور مضبوط موقف کے ساتھ ساتھ ایک منظم مؤثر، کامیاب اور متفقہ لائحہ عمل کے اختیار کرنے میں بھی کامیاب ہو سکیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

عبدالقیوم حقانی

افادات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالقیوم حقانی

صحبتے با اہل حق

"ھمارے" کا لفظ کاٹ دو کہ اس سے تکبر کی بو آتی ہے

حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ العالی کا قاصد پہنچا کر حضرت مدظلہ بلاتے ہیں۔ حاضر خدمت ہوا تو آپ نے مدینہ منورہ میں مولانا سعید احمد خان، مولانا ارشد مدنی، مولانا محمد شمیم صاحب، مولانا عبدالحق اور مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہم کے نام ضروری خطوط لکھوائے، میں نے بعض خطوط میں مکتوب الیہم کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی جانب سے "ہمارے دارالعلوم حقانیہ کے . . . . . " لکھا تھا۔ آپ نے سنا تو ارشاد فرمایا:-

"ہمارے کا لفظ متکلم مع الغیر کا صیغہ ہے، اس سے انانیت اور تکبر کی بو آتی ہے، اس لفظ کو کاٹ دو" دارالعلوم ہمارا نہیں، ہم دارالعلوم کے ہیں، دارالعلوم کو ہم سے نہیں، ہم کو دارالعلوم سے خدمت کی نسبت ہے، لہذا اسے کاٹ دو اور صرف "دارالعلوم حقانیہ" باقی رہنے دو اور پھر ارشاد فرمایا۔

یہ سب حضرات مقدس مقامات اور متبرک حالات میں رہتے ہیں، میرے لئے ان سے دعا کی درخواست بھی لکھدو ——— اور یہ بھی لکھدو کہ جب روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری ہو تو میری طرف سے بھی صلوٰۃ وسلام عرض کر دینا، شاید کہ یہ نجات کا ذریعہ بن جائے۔

کثرت ذکر اور حل مشکلات کا وظیفہ

بعض مہمانوں نے واپس جانے کی اجازت چاہی تو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بڑی تاکید سے فرمایا:-

"کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہیں، روزانہ کم از کم ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے رہیں اور ۵۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھا کریں، ہو سکے تو دن میں کسی وقت ۱۹ مرتبہ یا حیّ یا قیوم پڑھ لیا کریں ایک قول یہ ہے کہ یہ اسم اعظم ہے۔ پھر مہمانوں کے لئے دیر تک دعا فرماتے رہے۔ دوران دعا ایک صاحب نے عرض کی، حضرت مصائب اور مشکلات میں گھرا ہوں۔ ارشاد فرمایا:-

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۔ لا ملجاء ولا منجاء من اللہ الا اللہ کا وظیفہ جاری رکھیں ، اللہ پاک آپ کا حامی و ناصر ہوگا ۔

ما با تو استم دتو با ما نیستی !! حسب معمول عصر کو حاضر خدمت ہوا ، ایک تبلیغی جماعت آئی ہوئی تھی ، انہوں نے دعا کی درخواست کی ۔ اس سے قبل مولانا دوست محمد حقانی فاضل دارالعلوم حقانیہ نے اپنا ایک خواب حضرت اقدس کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ رات کو میں نے اللہ رب العزت کو خواب میں دیکھا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور دوزانو بیٹھا ہوں ۔ حضرت اقدس نے فرمایا :۔

یہ آپ کی عبادت ، تضرع اور خدا کے ہاں آپ کی عاجزی اور خلوص کا ثمرہ ہے ۔ ادخلوھا بسلام آمنین ۔ یہ اللہ رب العزت ، خواب میں آپ کو اپنے طرف ، خاص محبت کے انداز سے بلا رہے ہیں یہ خالص خدا تعالیٰ کا فضل و احسان ہے ، یہ بہت بڑی خوش نصیبی ہے ۔

مولانا دوست محمد حقانی نے عرض کیا ، خواب میں اللہ رب العزت کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا " ما با تو استم دتو با ما نیستی " ۔ حضرت اقدس نے فرمایا ۔ بڑے خوش قسمت ہو ۔ اللہ آپ کی یاوری فرمائے گا ، خدا تعالیٰ آپ کی مدد فرمائیگا ۔

امت کی فضیلت کا راز : تبلیغی جماعت اجتماع پر جا رہی تھی ، جناب حاجی فردوس خان بھی ان میں تشریف لائے تھے ۔ یہ حضرت کے قریبی احباب سے ہیں ، حضرت نے ان کا بڑا اکرام فرمایا اور ارشاد فرمایا :

" اللہ رب العزت نے فرمایا ہے ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ' تم خیر امت اور افضل امت ہو ، خیر اور اشرف ہونے کا سبب پیسے ' دولت ' سرمایہ داری ، بنگلے اور دولت نہیں بلکہ وجہ یہ بتائی کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو جیسے کہ اب یہ فریضہ تبلیغی جماعت انجام دے رہی ہے ۔

دعوت و تبلیغ کی اہمیت و عظمت ارشاد فرمایا ۔ احادیث میں تفصیل سے یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت حمزہ رض جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ، ان کے قاتل وحشی ہیں جنہوں نے غزوہ احد میں حضرت حمزہ رض کو شہید کیا تھا ، ناک ، کان اور دیگر اعضائے رئیسہ کاٹ ڈالے تھے اور جگر نکال کر گلے کا ہار بنایا تھا ——— پھر وہ مکہ چلا گیا ، جب مکہ فتح ہوا تو بوجہ خوف کے وہاں سے بھاگ کر طائف چلا گیا ، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ فرمایا ——— تو طائف ایک مضبوط قلعہ تھا ، اس کے اردگرد تمام علاقہ مسلمانوں کا تھا ، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرمایا ——— کہ جب چاروں طرف سے اسلامی

حکومت ہے، اس لئے ان کا محاصرہ ضروری نہیں، آخر یہ لوگ جائیں گے کدھر؟ اس لئے محاصرہ چھوڑ دیا۔

اہل طائف کو خیال ہوا کہ ہم مسلمانوں سے بچ کر کدھر بھی نہیں جا سکتے، اس لئے مسلمانوں کے ساتھ صلح کر لینی چاہیئے اور اسلام قبول کر لینا چاہیئے، لہٰذا انہوں نے قبول اسلام کے لئے ایک وفد تیار کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ــــ اب قاتل وحشی کو جان کے لالے پڑ گئے کہ اس کے بعد کوئی بھی جائے پناہ نہیں، لہٰذا وہ بھی وہاں کے لوگوں کے مشورہ سے منہ چھپائے وفد کے ساتھ آ گئے۔ صحابہؓ نے دیکھا تو چاہا کہ اس کی گردن اتار دیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ ابرو کے منتظر تھے اور جب صراحتاً اس کی اجازت چاہی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

" اگر ساری دنیا کفار سے بھر جائے اور تلوار اٹھا کر تم سب کو قتل کر لو، جہاد کر لو تو بڑا جہاد ہے ــــ ثواب بھی ہے اور بڑا ثواب ہے ــــ لیکن اس کے مقابلہ میں تبلیغ اور دعوت و ترغیب سے ایک آدمی کو مسلمان بنا لو اور وہ لا الہ الا اللہ پڑھے تو اس کا ثواب ساری دنیا کے کافروں کے قتل کر دینے سے زیادہ ہے ــــ وحشی نے کلمہ پڑھ لیا تو جنتی ہوا، اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ الاسلام یہدم ما کان قبلہ۔ میں نے جب تبلیغی جماعت کو دیکھا تو مجھے یہ واقعہ یاد آ گیا اور یہ ان حضرات کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔

مخلصانہ عمل کی برکتیں! مجھے اپنے ایک بزرگ ساتھی نے بتایا کہ ہم چند رفقاء امریکہ میں ایک بس میں سوار جا رہے تھے کہ عصر کی نماز کا وقت آیا۔ ڈرائیور سے ہم نے کہا کہ نماز کے لئے روک دے، اس نے ہماری درخواست منظور کر لی، ہم تین ساتھی اترے اور نماز پڑھی۔ انگریز اور غیر مسلم بس کی ساری سواریاں ہمارا گھیرا کر کے ہمیں دیکھتی رہیں اور حیران ہو کر تکتے رہے، جب ہم فارغ ہوئے تو پوچھا یہ تم نے کیا کیا۔ ہم نے کہا یہ ہمارے خدا کا ایک حکم نماز ہے جو اس کی عبادت ہے، وہ ہماری نماز کو دیکھ کر اسلام میں داخل ہو گئے۔ بہر حال کہ اصل چیز خلوص اور عمل ہے۔

اس وقت تبلیغی عمل بڑا قابل قدر اور لائق تحسین ہے، جو بھی ایک بار اس عمل میں داخل ہوتا ہے وہ دین میں ہمہ تن منہمک ہو جاتا ہے اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ سب کو ایسے احسانات سے نوازے۔ آمین۔

۱۲ شعبان ۱۴۰۷ھ ۔ احقر سفر کراچی و ملتان

امام اعظم ابوحنیفہ نے خلیفہ منصور کی پیشکش کو ٹھکرا دیا

سے واپسی کے بعد آج پہلی مرتبہ حضرت اقدس شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ـــــ بڑے خوش ہوئے، کراچی کے دینی مدارس، علماء، طلباء اور اہل علم کے حالات دریافت فرمائے علمی ترقیوں، باہمی اتحاد، علماء کی مساعی اور خدمتِ دین کے کاموں کا تذکرہ سُنا تو چہرے پر خوشی اور بشاشت کے آثار ہویدا ہوئے۔

اس موقعہ پر احقرنے اپنا تازہ رسالہ" امام اعظم ابوحنیفہ کا نظریہ انقلاب وسیاست" پیش کیا تو بڑی توجہ اور محبت سے اسے اپنے ہاتھوں میں لیا۔ بڑی محبت اور تجسس کی نظر سے دیکھتے رہے اور ضعفِ بصر کا عذر بھی کرتے رہے اور بار بار دعا فرماتے رہے کہ اللہ پاک اسے مقبولیت دے کہ لوگ ذوق شوق سے اس کا مطالعہ کریں، استفادہ کریں اور عمل کی توفیق ہو۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اُمت کے لئے مقبول، بہتر اور مستجاب بنائے، مولانا عبدالحلیم دیروی نے اس موقعہ پر دریافت کیا کہ حضرت! یہ کیا وجہ تھی کہ خلیفہ منصور کی بار بار کی پیشکش کے باوجود ... امام اعظم ابوحنیفہ نے وزارت عدل اور عہدۂ قضا قبول نہیں کیا۔

ارشاد فرمایا! آپ خود عالم فاضل ہیں۔ اس موضوع پر مولوی عبدالقیوم حقانی نے اپنے رسالہ " امام اعظم ابوحنیفہ کا نظریۂ انقلاب وسیاست " میں خوب خوب لکھ دیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اس زمانہ کے حالات وواقعات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کو اللہ نے زمانہ کے تقاضوں کو سمجھنے کی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ بعد میں جو امام ابویوسف قاضی القضاۃ بنے یا بنائے گئے، اسی میں ۹۵ فی صد امام ابوحنیفہ کی حکمت عملی کو دخل تھا۔

جب دنیا سے نفرت ہو تو وہ قدم چومتی ہے

ارشاد فرمایا۔ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں۔ ایک دن مسجد چھتہ میں بیٹھے ہیں طلبہ کے ساتھ۔ ایک نواب صاحب دعا مانگنے کیلئے آیا، پھر جاتے وقت خدمت میں ایک تھیلی پیش کی اور کہا کہ یہ آپ کی ضروریات کے لئے ہیں فرمایا۔ مجھے ضرورت نہیں، کسی مصرفِ خیر میں خرچ کردیجئے، فرمایا مجھے کیوں وکیل بناتے ہو، نیکی کا کام ہے، خود کرو، اور لطیفتہً یہ بھی کہا کہ دیکھو اگر مجھ میں انفاق کی اہلیت ہوتی تو خدا مجھے دیدیتا۔ جب خدا نے تجھے دیا تو اب وسائط کیوں ڈھونڈتے ہو، جاؤ اپنی مرضی سے خرچ کردو، الغرض قبول نہ فرمایا۔ نواب صاحب رخصت ہوئے تو مسجد سے باہر جہاں حضرت مولانا کی جوتیاں تھیں تھیلی کو اس میں بھر دیا اور چلے گئے۔ مولانا درس سے فارغ ہوکر جب جوتے پہننے لگے تو جوتیوں میں اشرفیاں بھری تھیں، طلبہ کو بلایا اور کہا کہ دنیا ایسی خبیث چیز ہے کہ تم پیچھے بھاگو تو یہ دور بھاگتی ہے

اور جب تم اس سے دور بھاگو تو وہ قدموں میں جوتوں میں آتی ہے، فاحشہ عورت کی طرح ہے۔

باہمی معاشرت کا پہلا سبق ارشاد فرمایا۔ دیکھئے، کھڑے بیٹھے ہر شخص کو سلام کہیں اس لئے کہ یہ تو ہمارا ایک دوسرے سے پہلا معاہدہ ہے کہ میری طرف سے مجلس میں آنے پر تمہارے لئے سلامتی ہے یعنی میں کوئی بدخواہ یا جاسوس یا مخبر نہیں ہوں، تمہارے خلاف شر و فساد نہیں کروں گا، تو یہ ایک معاہدہ اور حلف وفاداری ہوا اور اسلام نے باہمی معاشرت کا پہلا سبق کتنا عمدہ دیا کہ آتے ہی وہ اعلان کرتا ہے کہ میری طرف سے تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی، دو چار لمحے بیٹھنا بھی تمہاری خیر خواہی میں ہوگا، جاتے وقت پھر سلام کہتا ہے، گویا جو باتیں مجلس سے مخصوص تھیں، اس میں بددیانتی نہ کرونگا، امانتِ مجلس کا لحاظ رکھونگا تو آتے جاتے وقت وعدہ کیا کہ مجھ سے غیبت، چغلی یا بدخواہی کی توقع نہ کرنا، سامنے بھی اور پیچھے بھی سلامتی ہے تم پر ۔ تو سارے دنیا کے مذاہب اور معاشرتی تحریکیں ایک طرف اور اسلام کے امن و سلامتی کی رعایت کے قوانین اور آداب ایک طرف ـــ ہاں سلام کے لئے بھی آداب ہیں، بعض اوقات اس سے مخصوص ہیں، خطبہ، اذان، نماز، تلاوت یا دوسری اہم عبادت میں مشغول ہو تو فارغ ہونے تک سلام نہ کہو، ہر چیز کا ایک موقعہ ہوتا ہے، مگر عام اوقات اور حالات میں بڑے چھوٹے پر سلام پھیلا دو۔

✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱✱

قسط ۲

مولانا شہاب الدین ندوی

"شریعت بل" ضرورت اور نفاذ کیوں؟

نظام شریعت کی برتری اور معقولیت کے دلائل

۳- نظریۂ آزادی وہ بنیادی اُصول جن کو اسلامی شریعت نے عالم انسانی کے سامنے پیش کیا ہے اُن میں سے ایک حُرّیت یعنی آزادی کا اصول بھی ہے اور اسلامی شریعت نے اس اصول کا اثبات بہت بہترین طریقے سے کیا ہے، چنانچہ اُس نے آزادئ فکر، آزادئ عقیدہ اور آزادئ رائے کو تسلیم کیا ہے۔ ہم اس موقع پر ان سب پر الگ الگ گفتگو کریں گے۔

۴- آزادئ فکر اسلامی شریعت نے آزادئ فکر کا اعلان کرکے انسانی عقل کو اوہام و خرافات، اور باپ دادا کی اندھی تقلید اور قومی عادات و خصائل سے جو خلافِ عقل ہوں، نجات دلائی ہے، وہ اس بات کی داعی ہے کہ جو چیز خلافِ عقل ہو اُسے چھوڑ دیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس موضوع پر بکثرت آیات وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ
وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ
الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ
مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَّتَصْرِيفِ
الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ (بقرہ: ۱۶۴)

آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات اور دن کے ہیر پھیر میں، اُس کشتی میں جو سمندر میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان لے کر چلتی ہے، اُس بارش میں جسکو اللہ بادل سے برساتا ہے اور اس کے ذریعہ مُردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اور اُس میں ہر قسم کے جانداروں کو پھیلا دیتا ہے، ہواؤں کے قانون ادل بدل میں اور اُس بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مُسخّر کیا ہوا ہے، غرض ان تمام مظاہر میں عقلمندوں کیلئے یقیناً (اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت و ربوبیت کی) نشانیاں موجود ہیں۔

أَفَلَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ

کیا یہ لوگ اونٹوں کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ وہ کس

خُلِقَتْ، وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ، وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ (غاشیہ: ۱۷-۲۰)

طرح بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کا کہ وہ کسطرح بلند کیا گیا ہے؟ اور پہاڑوں کا کہ وہ کسطرح نصب کیے گئے ہیں؟ اور زمین کا کہ وہ (اپنی پوری گولائی میں) کسطرح پھیلائی گئی ہے؟

چنانچہ قرآن لوگوں کو عار دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ اپنی عقلوں کو بے کار نہ کر دیں، اپنی فکر کو معطل نہ کر دیں، غیروں کی بے جا تقلید نہ کریں، اوہام و خرافات پر یقین نہ کریں اور بلا سوچے سمجھے قومی عادات و روایات کو مضبوطی سے پکڑ نہ لیں، قرآن اُن تمام اُمور میں ایسے لوگوں کی عیب گیری کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو چوپاؤں سے تشبیہ دیتا ہے کیونکہ وہ بغیر سوچے سمجھے دوسروں کا اتباع کرنے لگ جاتے ہیں اور اپنی ذاتی عقل و فکر کو کام میں نہیں لاتے، حالانکہ عقل ہی وہ واحد خصوصیت ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور دیگر مخلوقات کے درمیان فرق کیا ہے، لہٰذا انسان جب اپنی عقل کو معطل کر دیتا ہے تو وہ چوپاؤں کے برابر ہو جاتا ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر۔ چنانچہ قرآن مجید کہتا ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف: ۱۷۹)

اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ہیں، جن کے دل تو ہیں مگر وہ اُن سے سمجھتے نہیں، اُن کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، اور اُن کے کان تو موجود ہیں مگر وہ اُن سے سُنتے نہیں، وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر یہی لوگ غافل (وبے پرواہ) ہیں۔

۵۔ آزادیٔ عقیدہ اسلامی شریعت ہی وہ اولین شریعت ہے جس نے آزادیٔ عقیدہ کو جائز قرار دیا اور اس نظریہ کی حفاظت رعایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، چنانچہ اسلامی شریعت کے مطابق کوئی بھی شخص اپنے لئے جو عقیدہ چاہے اختیار کر سکتا ہے اور کسی دوسرے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کو اپنا عقیدہ چھوڑنے یا کوئی دوسرا عقیدہ اختیار کرنے پر مجبور کرے (ہاں البتہ دوسروں کی رہنمائی کی خاطر حق بات کی وضاحت کی جا سکتی ہے یا انہیں متنبہ کیا جا سکتا ہے)۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ: ۲۵۶)

دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔

فَذَكِّرْ ط اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ: ۲۱-۲۲)

آپ نصیحت کیجئے آپ تو صرف نصیحت ہی کرنیوالے ہیں، ان پر کوئی داروغہ نہیں۔

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (نور: ۵۴)
اور رسول کے ذمہ تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

اسلامی شریعت نے لوگوں کے لئے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ہر ایک کے لئے آزادئ عقیدہ کی ضمانت دیکر بلند نظری کا ثبوت دیا ہے اور اس نے بلادِ اسلامیہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو بھی اس بات کی آزادی عطا کی ہے کہ کسی بھی اسلامی مملکت میں وہ اپنے دین، مسلک اور عقیدے کا اظہار کر سکتے ہیں اور اپنے دینی فرائض کو انجام دے سکتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے دین کے قیام اور اس کی تعلیم کے لئے عبادت گاہوں اور مدرسوں کو بغیر کسی حرج کے قائم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی ممالک میں یہود و نصاریٰ کے لئے ان تمام اُمور میں کامل آزادی حاصل تھی۔

۶۔ آزادئ رائے: اسلامی شریعت نے اظہارِ رائے کی آزادی کو جائز و مباح اور ہر انسان کا حق قرار دیا ہے بلکہ اس کو انسان پر ہر اُس معاملے میں واجب قرار دیا ہے جس میں اخلاق اور مصالح عامہ متاثر ہوتے ہوں اور جن کو شریعت "منکر" یعنی ناپسندیدہ چیز سمجھتی ہو جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران، ۱۰۴)

اور ضرور ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو، جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور انہیں معروف (دین و عقل کی نظر میں پسندیدہ امور) کا حکم کرے اور منکر (ناپسندیدہ باتوں) سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

اور حدیث شریف میں آیا ہے: "تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو چاہیئے کہ اُس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر زبان سے اس کی مذمت کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اس کام کو اپنے دل میں برا سمجھے مگر یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"

ہر انسان کو اگرچہ اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے مطابق اظہارِ رائے کرے اور زبان و قلم کے ذریعہ اسکی مدافعت کرے، مگر یہ حریت مطلق طور پر نہیں بلکہ مقید ہے کہ وہ جو کچھ کہے یا لکھے وہ عام آدابِ اخلاقِ فاضلہ اور مزاجِ شریعت کے خلاف نہ ہو۔

یہ اسلامی شریعت کا وہ نظریۂ حریت ہے (اپنی تینوں اقسام کے ساتھ) جسکو اُس نے ایسے وقت پیش کیا جب کہ لوگ اس بارے میں اپنی عقل سے کچھ بھی سوچ نہیں رہے تھے، بلکہ صرف انہی باتوں کا چرچا کیا کرتے تھے جنکو انہوں نے اپنے باپ دادا سے وراثتاً پایا تھا اور اُن کی نظر میں یہ ایک فطری بات تھی کہ انسان اپنے عقیدے کو بدلنے پر مجبور کیا جائے اور اُس دور میں آزادئ قول اور آزادئ

فکر کا حق صرف صاحبِ اقتدار اور طاقتور لوگوں ہی کو حاصل تھا۔

غرض اسلامی شریعت نظریۂ حریت کو پیش کرنے میں وضعی قوانین سے گیارہ صدیاں آگے ہے کیونکہ وضعی قوانین کے ذریعہ اس کا آغاز اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کی ابتدا ہی میں ہو سکا ہے۔ اس سے پہلے ان قوانین میں اس نظریہ کا تصور دکھائی نہیں دیتا بلکہ تاریخی حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے برعکس ایسے مفکرین اور اصلاح پسندوں کو سخت تکلیفیں دی گئیں جنہوں نے اصحابِ اقتدار کے نظریات پر تنقید کی۔ مگر اہلِ یورپ کا سب سے بڑا جھوٹ یہ ہے کہ وہ حریت کے اوّلین علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لہٰذا صاف ظاہر ہے کہ یہ شریعت اسلامیہ سے جہالت کا نتیجہ ہے۔

۷۔ طلاق کا نظریہ نوٹ: صاحبِ کتاب نے اس موقع پر دیگر کئی نظریات بھی بیان کئے ہیں، جن میں اسلامی شریعت کو سبقت و اولیت حاصل ہے مثلاً نظریۂ شوریٰ، نظریۂ تحریم خمر، نظریۂ معاہدات، اور تحریری شہادت وغیرہ لیکن یہ سب نظریات اس وقت موضوعِ بحث سے خارج ہیں، اس لئے انھیں نظرانداز کیا جاتا ہے، ہاں البتہ نظریۂ طلاق اور نظریۂ تعددِ ازدواج کا اس موضوع سے چونکہ گہرا تعلق ہے اس لئے اب اس موقع پر صرف انھی دو کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اسلامی شریعت نے مرد کے لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ اپنی منکوحہ کو طلاق دیدے خواہ اُس سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو، اگرچہ اس بات کا کوئی ظاہری ثبوت بھی نہ ہو کہ رشتۂ نکاح کی وجہ سے مرد کو کوئی نقصان پہنچا ہے۔ اس لحاظ سے بیوی کو طلاق دینے کا دارومدار مرد پر ہے [ع]

اور شریعت نے عورت کو بھی اجازت دی ہے کہ وہ قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ اُس کے شوہر سے اُسے طلاق دلوادے۔ جب کہ وہ یہ بات ثابت کردے کہ اُس کے شوہر نے اُسے جسمانی یا رُوحانی طور پر کوئی تکلیف پہنچائی ہے یا یہ کہ اس کا شوہر اُس کے وہ حقوق ادا نہیں کر رہا ہے جن کو شریعت نے اُس کے ذمہ واجب قرار دیا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان حقِ طلاق کے استعمال میں جو اساسی فرق ہے، وہ یہ ہے کہ مرد کو ازدواجی معاملات میں کنبہ کا بڑا اور نگران ہونے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ تنہا وہی ازدواجی زندگی کا سارا بوجھ برداشت کرتا ہے۔ وہی بیوی کے مہر اور شادی کے اخراجات کا ذمہ دار ہے۔ وہی شادی کے دن ہی سے بیوی کے اخراجات کا کفیل ہے، اگرچہ اس کی بیوی ابھی اُس کے گھر میں منتقل نہ ہوئی ہو اور وہی اپنی بیوی اور بچوں کے نان و

ع اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب "طلاق اسلام اور عائلی قوانین" دیکھنی چاہیئے۔

نفقہ کا ذمہ دار ہے[6] لہٰذا ان تمام فرائض اور ذمہ داریوں کے پیش نظر اُسے طلاق کا حق مطلق طور پر دیا گیا ہے اور یہ بات ایک دوسری حیثیت سے عورت کے لئے بھی مبنی بر مصلحت ہے کہ اگر مرد کو طلاق کے اسباب بیان کرنے پر مجبور کیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ اسکی وجہ سے عورت کی نیک نامی پر دھبہ لگ جائے اور اس کا عقد ثانی مشکل ہوجائے۔ اب رہا عورت کا معاملہ تو اسکو طلاق کا حق مشروط طور پر ملا ہے جب کہ اُسے کوئی مادی یا معنوی نقصان پہنچے۔ اس اُصول میں بہرحال مرد کو ایک درجہ فضیلت دیئے جانے کے اعتبار سے مطابقت نظر آتی ہے اور عورت کو بھی مرد کی ایذا رسانی سے بچاؤ کی صورت موجود ہے۔ بہرحال شریعت نے مرد کو اگرچہ طلاق کا غیر مشروط حق عطا کیا ہے مگر اس کے ساتھ ہی اس کے بالمقابل ایسی ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں جن سے بیوی کا تحفظ اور اس کے مفاد کی حفاظت ہوتی ہے۔

طلاق کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں: (۱) طلاق عورت کا مہر متعین ہونے اور اُس کے ساتھ ہمبستر ہونے سے پہلے بھی ہوسکتی ہے (۲) یا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ عورت کا مہر تو متعین ہوگیا مگر اس کے ساتھ ابھی ہم بستری نہ ہوئی ہو (۳) یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مہر بھی متعین ہو اور ہمبستری بھی ہوچکی ہو تو ان سب صورتوں میں شریعت نے مرد کے ذمہ مہر لازمی قرار دیا ہے، جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں ہے۔ شریعت کے اس التزام سے جہاں ایک طرف عورت کے لئے معاوضہ حاصل ہوتا ہے تو دوسری طرف مرد کے لئے ایک انتباہ کی حیثیت بھی رکھتا ہے کہ وہ طلاق دینے سے پہلے اچھی طرح سوچ بچار کرلے۔

قرآن مجید میں ان سب صورتوں کے لئے الگ الگ احکام موجود ہیں (دیکھئے سورۂ بقرہ ۲۳۶ - ۲۳۷ اور نساء : ۲۰) اور پھر عدت کے دوران بیوی کا نان و نفقہ بھی مرد ہی کے ذمہ ہے، جو عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل (طلاق : ۲۸) اور غیر حاملہ ہونے کی صورت میں تین حیض ہے (بقرہ: ۲۲۸)

طلاق کے سلسلے میں جو احکام وارد ہوئے ہیں اُن کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمومیت اور لچک کے اعتبار سے اپنی آخری حدوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اسی بناء پر وہ ہر دور اور ہر ملک کیلئے قابل عمل ہیں۔ لہٰذا ان میں کسی کی ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی تازگی، صلاحیت اور بلندی آج بھی برقرار ہے اور وہ بالکل تازہ دم نظر آتی ہے۔

---

[6] اسلامی قانون کے مطابق یہ تمام اخراجات، ذمہ داریاں اور فرائض مرد ہی پر عائد ہوتے ہیں، جو ہندوستانی معاشرے میں ایک عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں پر دیگر قوموں سے میل جول کی بناء پر اصل اسلامی قانون تقریباً مسخ ہو کر رہ گیا ہے مگر اب اسلامی قانون کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس پر سختی کے ساتھ عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ شہاب

طلاق کی مقبولیت غرض اسلامی شریعت نے چودہ سو سال پہلے ہی میاں بیوی کو طلاق کا حق دے دیا تھا، نیز مذکورۂ بالا قوی اور منصفانہ ضمانتوں کے ذریعہ اس کا احاطہ کر دیا تھا (تاکہ اس سلسلے میں کوئی بے انصافی یا کسی قسم کی زیادتی نہ ہونے پائے) مگر موجودہ متمدن دنیا اس حق سے بیسویں صدی میں جاکر متعارف ہو سکی ہے اور بعض متمدن قومیں تو اسلامی شریعت پر اعتراض کرتی تھیں کہ اُس نے حقِ طلاق کو کیوں تسلیم کیا ہے؟ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور علوم و فنون کی ترقی ہونے لگی اور عقلوں کے دریچے کھل گئے تو اہلِ علم اور مفکرین کو نظر آیا کہ طلاق کا قانون میاں بیوی کے لئے ایک نعمت ہے، جو ناکام ازدواجی زندگی اور نفسیاتی اذیتوں سے نجات پانے کا واحد راستہ ہے اور طلاق ہی وہ قانون ہے جو ازدواجی زندگی کی ناکامی کی صورت میں زوجین کی دوبارہ سعادت کا باعث بنتا ہے اور ان دونوں کی لغزشوں اور شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے [ف]

چنانچہ آج متمدن اور ترقی یافتہ قوموں کا کوئی بھی وضعی قانون طلاق کی دفعہ اور اس کے اعتراف سے خالی نہیں ہے لیکن یہ قوانین طلاق کے اصول کو تسلیم کر لینے کے باوجود اس کے تفصیلی نفاذ میں مختلف دکھائی دیتے ہیں یعنی بعض قومیں طلاق کے دائرے میں وسعت دیتی ہیں تو کچھ قومیں اس کو محدود کرتی ہیں، چنانچہ روسی قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے بغیر کسی قید یا شرط کے طلاق کو یکساں طور پر جائز قرار دیتا ہے۔ شریعت نے جس اُصول کو صرف مرد کے لئے وضع کیا تھا اُس کو روسی قانون مرد اور عورت دونوں کے لئے روا رکھتا ہے، اس کے برعکس امریکہ کے بعض صوبوں کے قوانین مرد اور عورت دونوں کو مطالبۂ طلاق کا حق عطا کرتے ہیں جب کہ مطالبہ کرنے والا (زوجین میں سے کوئی ایک) یہ ثابت کر دے کہ اُس کے شریکِ زندگی (زوجین میں سے کوئی ایک) نے اُس کو مادی یا معنوی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ قوانین اُس اصول سے ماخوذ ہیں جسکو شریعت نے عورت کے لئے روا رکھا تھا (جیسا کہ تفصیل

[ف] چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی فطرت یکساں طور پر نہیں رکھی ہے بلکہ ذہنوں اور طبیعتوں میں بہت بڑا اختلاف رکھ دیا ہے، اس لئے یہ واضح اختلاف کبھی کبھی مرد اور عورت کی جدائی کا باعث بن سکتا ہے اور اس صورت میں ازدواجی بندھن کو قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر ایسے موقع پر ان دونوں کے لئے قانونی طور پر جدائی کی گنجائش نہ رکھنا فسادِ تمدن کا باعث بن سکتا ہے۔ لہذا اس اعتبار سے طلاق کا قانون ایک فطری اور سائنٹیفک قانون ہے اور اللہ تعالیٰ چونکہ خالق کائنات ہے اور وہ اپنی تخلیق کے تمام بھیدوں سے آگاہ ہے، اس لئے اُس نے اس ابدی قانون کو اپنی شریعت میں ایک ضابطۂ حیات کے طور پر رکھا ہے۔ شہاب

گزر چکی ہے) مگر اس دفعہ کو یے کر یہ مالک مرد اور عورت دونوں کو اس کے تابع کرتے ہیں ؎

اسی طرح اکثر وضعی قوانین محدود دائرے اور معین اسباب کی بناء پر میاں بیوی میں سے کسی ایک کی طلب کی بناء پر حق طلاق کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ قوانین مرد اور عورت پر وہ دفعہ لاگو کرتے ہیں جسکو شریعت نے عورت پر لاگو کیا تھا لیکن وہ بھی اسبابِ طلاق اور اس کے دائرے کو محدود کرتے ہوئے۔

بہرحال تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد عصر جدید نے شریعتِ اسلامیہ کے قانونِ طلاق کا اعتراف کیا اور اس کو اپنایا ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ بیسویں صدی گزرنے سے پہلے ہی وضعی قوانین جوازِ طلاق کو اور بھی وسیع کردیں اور شریعت کے نظریہ کو مکمل طور پر اپنالیں۔

اب ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جس وقت شریعت نے نظریۂ طلاق کو پیش کیا، اُس وقت دُنیا اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی لیکن شریعت میں اس نظریہ کا وجود شریعت کی تکمیل کا مقتضی تھا، کیونکہ ایک کامل اور دائمی شریعت ایسے نظریات کی حاجت مند رہتی ہے اور اس قانون کے ذریعہ سوسائٹی کا معیار بڑھانا اور اُسے ترقی وکمال کی شاہراہ پر ڈالنا مقصود ہے۔

۸۔ تعدّدِ ازدواج کا نظریہ اسلامی شریعت نے اپنے نزول ہی کے دن سے تعدّدِ ازدواج (POLYGAMY) کو جائز قرار دیا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ مرد ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں ان کے درمیان عدل و انصاف قائم رکھنے کی اہلیت اپنے آپ میں پاتا ہو، مگر جب اُسے یقین ہوجائے کہ وہ ان کے درمیان عدل وانصاف قائم رکھنے کی سکت نہیں رکھتا تو اس کے لئے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے، اور زیادہ سے زیادہ چار ہی بیویاں کرسکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ	جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین
مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ	اور چار چار سے نکاح کرلو اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (نساء: ۳)	کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی کافی ہے۔

اسلامی شریعت نے تعدّدِ ازدواج کو جو جائز قرار دیا ہے تو اس کی دو وجوہات ہیں: ایک تو

؎ اس لحاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق ایک ترقی یافتہ قانون ہے جسکی اہمیت وافادیت سے موجودہ ترقی یافتہ دور ہی واقف وآگاہ ہوسکا ہے مگر انسانی علم وعقل چونکہ ناقص ہیں، اس لئے وہ ان قوانین کا اعتراف اور اس کا نفاذ بھی ناقص طور پر ہی کررہے ہیں شہاب

اس میں خود اس کا اپنا مخصوص مزاج و فلسفہ ہے اور دوسرے وہ انسانی طبیعت کے بھی مطابق ہے، نیز اس کے علاوہ وہ مقصدِ ازدواج سے بھی ہم آہنگ ہے۔

تعدّد ازدواج کے سلسلے میں شریعت کی منطق یہ ہے کہ چونکہ شریعت نے زنا کو یکسر حرام کر دیا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے سخت سزا تجویز کی ہے کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کر دیا جائے، تو اس اعتبار سے نامناسب تھا کہ شریعت ایک طرف زنا کو لوگوں کے لئے حرام کر دے اور دوسری طرف انہیں زنا کی جانب بڑھنے بھی دے (ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر فطری طریقہ ہوتا جب ان پر ایک جانب سے بندش عائد کی جا رہی ہے تو دوسری طرف طبعی و اجتماعی ضرورتوں کے تحت کوئی دوسرا متبادل راستہ کھلا ہونا چاہیئے) اور اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ تعدّد ازدواج کی حُرمت لوگوں کو زنا کی طرف مائل کرتی ہے) لہذا زنا کی حُرمت کا واحد متبادل کثرتِ ازدواج یعنی ایک سے زیادہ شادیوں کا جواز ہونا چاہیئے) اور واقعہ کے لحاظ سے یہ بات اسطرح صادق آتی ہے کہ دُنیا میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور جب کبھی جنگیں ہوتی ہیں تو ان دونوں جنسوں کے درمیان یہ فرق اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ایک سے زیادہ بیویوں کی ممانعت کی وجہ سے بہت سی عورتیں بے نکاح رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عورت کا نکاح کی استعداد کے باوجود نکاح سے محروم رہ جانا بہت سے مفاسد پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے اور وہ غلط راہوں پر نکل سکتی ہے۔

اسی طرح مرد اور عورت دونوں جنسی عمل کی استعداد کی حیثیت سے بھی مختلف ہیں۔ عورت تو اس معاملے میں ہر وقت مرد کی آغوش میں جانے کے لئے تیار نہیں رہتی کیونکہ وہ ہر مہینہ متوسط طور پر ایک ہفتہ تک حیض کی حالت میں رہتی ہے اور کبھی کبھی حیض کی یہ حالت دو ہفتے بھی ہو جاتی ہے اور اس حالت میں مجامعت حرام ہے۔ اسی طرح عورت کو بچّہ ہونے کے بعد نفاس کی حالت میں بھی، جو عموماً چالیس دن ہوتی ہے۔ مجامعت حرام ہے۔ اسی طرح حمل کی حالت میں بھی عورت کی یہ استعداد کمزور رہتی ہے مگر ان تمام حالتوں میں مرد کی استعداد میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ لہذا اگر مرد پر ایک سے زیادہ بیوی کرنا ممنوع قرار دیا جائے تو یہ چیز بہت سوں کے لئے زنا کا دروازہ کھولنے کا باعث ہو سکتی ہے، کیونکہ ایسے افراد ایّامِ حیض و نفاس اور حمل کی حالت میں اپنی جنسی جبلّت پر قابو نہیں رکھ سکتے۔ لہذا اسلامی شریعت نے انسانی طبائع کا لحاظ کرتے ہوئے کثرتِ ازدواج کو مشروط طور پر جائز قرار دیا ہے (یعنی ہر ایک کے لئے ضروری و لازمی چیز نہیں ہے بلکہ یہ چند شرطوں کے ساتھ صرف ایک اجازت ہے) کیونکہ اس امتحان میں اگر دس بیس افراد کامیاب بھی ہو جائیں تو سینکڑوں افراد کی لغزش کا امکان ہے۔ لہذا شریعت نہیں چاہتی کہ

وہ لوگوں کو امتحان گاہ کی بھٹی میں جھونک دے
(اس کے علاوہ بعض اوقات پہلی بیوی کو بچہ نہ ہونے کی صورت میں بھی دوسری شادی کرنی پڑتی ہے (اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے)
یہ ہے کثرتِ ازدواج کے سلسلے میں اسلامی شریعت کا نظریہ جو معاشرتی نقصانات اور خرابیوں کو دُور کرنے، عورتوں کے درمیان مساوات قائم کرنے اور اخلاقی معیار کو بلند کرنے کی غرض سے جائز قرار دیا گیا ہے۔ کثرتِ ازدواج کے سلسلے میں جو قرآنی نص (واضح بیان) ہمارے سامنے موجود ہے، وہ انتہائی درجہ عام اور لچکدار ہے اور یہ بیان اپنی صلاحیت کے لحاظ سے جسطرح چودہ سو سال سے محفوظ ہے، اسی طرح آئندہ بھی اسکی صلاحیت انشاء اللہ محفوظ اور کارآمد رہے گی۔

یہ بھی واضح رہے کہ اس "نص" کو شریعت نے جاعت یا سوسائٹی کی حالت سے مطابقت ظاہر کرنے کے لئے پیش نہیں کیا تھا کیونکہ دورِ رسالت میں اہلِ عرب کثرتِ ازدواج کو غیر معیّن طور پر جائز قرار دیتے تھے۔ لہٰذا وہ بیویوں کی تعداد کو محدود کرنے پر خوش نہیں تھے بلکہ اس حکم کے نزول کے بعد انہیں صرف چار بیویوں پر اکتفا کرتے ہوئے باقی بیویوں کو طلاق دینے پر مجبور ہونا پڑا، اس لحاظ سے ظاہر ہے کہ شریعت نے اس حکم کے ذریعہ جاعت وسوسائٹی کا معیار بلند کرنا چاہا ہے، کیونکہ اس کا وجود ایک دائمی اور کامل شریعت میں ضروری تھا جو کسی ترمیم وتبدیلی کو قبول نہ کرسکتی ہو۔

تعدّدِ ازدواج اور عصرِ حاضر: کثرتِ ازدواج (ایک سے زیادہ بیویاں کرنا) کے سلسلے میں شریعت کا نظریہ ان نظریات میں سے ہے جن کا اعتراف وضعی قوانین نے اب تک نہیں کیا ہے بلکہ یہ نظریہ زمانۂ قدیم ہی سے یورپی قوموں کے لئے عجیب وغریب نظر آتا رہا ہے جسکی بناء پر وہ اسلام پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں مگر آج صورتِ حال بدل گئی ہے اور یورپین علماء اور مُصلحین نیز ان کے مؤقر اخبارات میں اب اس قانون کے بارے میں نرم گوشہ ظاہر ہونے لگا ہے اور ہوسکتا ہے کہ وہ دن قریب آگیا ہو جس میں وضعی قوانینِ شریعت کی اس دفعہ کو پوری طرح اپنالیں، کیونکہ پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء — ۱۹۱۹ء) اور دوسری جنگِ عظیم (۱۹۳۹ء — ۱۹۴۵ء) دونوں نے اس تصوّر کو قبول کرنے اور ماحول کو سازگار بنانے کے سلسلے میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ ان دونوں جنگوں میں مردوں کی ایک بڑی تعداد کام آگئی اور عورتیں کثیر تعداد میں بیوہ ہوگئیں۔ اس طرح عورتوں کی تعداد مردوں سے نمایاں طور پر بڑھ گئی ہے۔

اور سچی بات تو یہ ہے کہ صرف جنگیں ہی اس سلسلے میں بنیادی سبب نہیں ہیں، جنھوں نے اہلِ یورپ کو کثرتِ ازدواج کے جواز میں غور کرنے پر مجبور کردیا ہو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے

متعدد اسباب ہیں، جن میں سے ایک جنس مخالف سے "دوستی" کی کثرت اس طرح ہوگئی ہے کہ ایک ایک شخص کی کئی کئی "گرل فرینڈ" ہوتی ہیں جو اس کی مردانگی، عنایت اور مال میں اُس کی بیوی ہی کی طرح برابر کی شریک ہوتی ہیں۔ دوسرا سبب زنا کی کثرت اور اُس کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے جرائم ہیں۔ چنانچہ حرامی بچوں کی کثرت اتنی ہوگئی ہے کہ اب ذلت کے خوف سے نوزائیدہ بچوں کو سڑکوں پر پھینک دیا جاتا ہے، یا کنواری مائیں اپنا حمل گرا کر انہیں ساقط کر دیتی ہیں (اور یہ سب مانع حمل ادویات اور مانع حمل حیلوں کی کثرت کے باوجود بھی ایسا ہو رہا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ حرامی بچوں کی تعداد اور بھی کئی گُنا زیادہ ہوتی) تیسرا سبب فطری طور پر دنیا میں عورتوں کی زیادتی ہے اور ان کی یہ خواہش اور جائز ضرورت ہے کہ وہ بھی قانونی طور پر بیویاں اور مائیں بنیں اور چوتھا سبب یورپی قوموں میں واضح طور پر نسل انسانی کی کمی کا مسئلہ ہے۔

یہ اور ان جیسے اور بھی اسباب و محرکات ہیں جنہوں نے اربابِ فکر کو کثرتِ ازدواج کے جواز کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ اس سلسلے میں کثرتِ ازدواج ہی ان تمام خرابیوں اور اجتماعی امراض کا فطری علاج ہو سکتا ہے۔[۹]

حاصل بحث ان واقعات اور ان حقائق و معارف سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ قانونی اور دستوری حیثیت سے اسلامی شریعت کو وضعی یا انسانی قوانین پر تقدم، اولیت اور برتری حاصل ہے اور ان کی جدت و تازگی میں اب تک کوئی فرق نہیں آسکا ہے بلکہ ترقی یافتہ قومیں اور اُن کے قوانین برابر اسلامی شریعت و قانون سے اخذ و استفادہ کر رہے ہیں، بالفاظ دیگر اسلام کے سایے میں پناہ لینے پر مجبور نظر آرہے ہیں، لیکن حقیقت تو بہر حال حقیقت ہے، خواہ کوئی اس بات کا اعتراف کرے یا نہ کرے۔ تاریخی واقعات اپنی جگہ پر تاریخی حقائق کے حامل ہوتے ہیں، غرض موجودہ ترقی یافتہ قوموں نے ایک چودہ سو سال "پرانے" قانون سے اخذ و استفادہ کر کے اسکی جدت و تازگی اور اسکی برتری و معقولیت پر مُہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور اس اعتبار سے اسلامی شریعت یا اسلامی قانون پر کہنگی کی پرچھائیاں کبھی نہیں پڑ سکتیں بلکہ زمانے کی ترقی و تقدم کے باعث اس میں مزید نکھار پیدا ہوتا چلا جائیگا اور علوم و فنون کی ترقی کے باوجود اسلامی قانون کی ضرورت و اہمیت اور زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ یہی چیز اس کے من

---

[۹] ملخص از التشریع الجنائی الاسلامی، صفحات ۱۲-۵۵، اس ترجمے اور خلاصے میں کہیں کہیں خفیف سا تصرف بھی کیا گیا ہے۔

جانب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ انسان کے بنائے قوانین برابر بدلتے رہتے ہیں، اور خُدائی قوانین کی سب سے بڑی پہچان یہی ہے کہ اُس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ اسلامی شریعت وقانون میں اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور نہ اس میں تبدیلی کی ضرورت ہی دکھائی دیتی ہے، تو پھر یہ بات آپ سے آپ ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلامی شریعت خدائے عالم کی جانب سے ہے۔ لہٰذا اب جو لوگ خدائی قانون میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں، وہ نہ صرف خُدائی قانون اور اس کے مزاج و فلسفے سے ناواقف ہیں بلکہ خود وضعی قوانین اور اُن کے اصول و فلسفے سے بھی ناواقف ہیں اور جو لوگ ان دونوں کی اصلیت سے ناواقف ہوں، انہیں اس معاملے میں بولنے اور لب کُشائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ آج کل کے بہت سے "دانشور" اسلامی شریعت کو برخود غلط طور پر ایک "دقیانوسی قانون" تصوّر کرکے اس میں ترمیم و تبدیلی کے خواہشمند نظر آتے ہیں مگر جیسا کہ اوپر کے مباحث سے ظاہر ہوگیا، اسلامی شریعت کی کوئی بھی شق اور اسکی کوئی دفعہ بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہے، بلکہ اسلامی قانون ہی وہ واحد قانون ہے جو موجودہ دُنیا کے تمام قوانین میں کامل، برتر، کارآمد ابدی و سرمدی نظر آتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اب دُنیا آہستہ آہستہ اُس کے اس ابدی قانون سے اخذ و استفادہ کرنے لگی ہے حتّیٰ کہ جدید طبقے کی طرف سے جن اسلامی قوانین پر سب سے زیادہ اعتراض کیا جاتا ہے، یعنی قانونِ طلاق اور قانونِ کثرتِ ازدواج ' ان کی اہمیت و افادیت بھی اب عصرِ جدید نے تسلیم کرنا شروع کردی ہے۔ طلاق کے بارے میں تو ظاہر ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں اکثر ترقی یافتہ ملکوں نے اس کو کسی نہ کسی صورت میں اختیار کرلیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کچھ مدّت کے بعد اسلام کے قانونِ طلاق کو مکمل شکل میں قبول کرلیا جائے کیونکہ یہ موجودہ دور کے بہت سے پیچیدہ مسائل اور معاشرتی خرابیوں کا ایک فطری اور سائنٹیفک حل ہے۔

واضح رہے کہ قانونِ طلاق کو اُصولی طور پر تسلیم کرلینے کے باوجود آج بہت سی قوموں میں عملاً اس کے حصول کی مشکلات یا پیچیدگیوں کے باعث بہت سے خاندان جہنّم کا نمونہ بنے ہوئے ہیں اور اس باب میں ہندو معاشرے کی مثال سب سے نمایاں ہے، جو جہیز کے خوفناک اور بے رحم شکنجوں میں جکڑا ہوا بلبلا رہا ہے۔ چنانچہ آج ہندوستانی معاشرے میں بہت سی "اموات جہیز" حقیقتاً "اموات طلاق" ہوتی ہیں، کیونکہ طلاق کی آسانیاں حاصل نہ ہونے کی وجہ سے (جسطرح کہ اسلام نے اس کو آسان بلکہ میاں بیوی کا پرسنل مسئلہ قرار دیا ہے) ناپسندیدہ عورتوں سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے انہیں جلا

کر یا گلا گھونٹ کر مار دیا جاتا ہے اور پھر اسکو آسانی کے ساتھ خودکشی کا کیس ثابت کر دیا جاتا ہے، اگر طلاق کی سہولتیں حاصل ہوں تو پھر ہزاروں معصوم عورتوں کی جان بچائی جاسکتی ہے اور اس اعتبار سے قانونِ طلاق حقیقتاً "قانونِ زندگی" ہے مگر جو قوم اپنے لئے بجائے زندگی کے موت ہی کو ترجیح دینے لگ جائے تو ظاہر ہے کہ ساری دُنیا بھی مل کر اُسکو بچا نہیں سکیگی۔ فاعتبروا

اب رہا معاملہ کثرتِ ازدواج کا، تو یہ بھی ایک فطری اور سائنٹیفک قانون ہے، جس کے باعث اب مفکرین اور دانشورانِ یورپ نے اس بارے میں غور و فکر کرنا شروع کر دیا ہے اور جلد یا بدیر اس سلسلے میں رائے عامہ بدلنے والی ہے، لہذا جو اسلامی قوانین نوعِ انسانی کے لیے حقیقتاً مفید اور کارآمد ہیں اُن کے بارے میں مخالفینِ اسلام اور متعصب مستشرقین کے گمراہ کن پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اُن کی ہاں میں ہاں ملانا ایک غیر معقول رویّہ ہے جسکو سوائے تعصب کے اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

نوعِ انسانی کو چاہیئے کہ اس باب میں کسی بھی قسم کے تعصب اور اندھی تقلید کے دائرے سے نکل کر کھُلے ذہن و دماغ کے ساتھ اسلامی قانون اور اس کی معقولیت کا مطالعہ کرے اور اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اسلامی قانون دنیائے انسانیت کے لیے درحقیقت آبِ حیات کا درجہ رکھتا ہے اور اسی بناء پر اسلام عالمِ بشریت کو اس خیر اور بھلائی کو اپنانے کی دعوت دیتا ہے، جس میں ساری انسانیت کا بھلا ہو سکتا ہے کیونکہ اسلام کا بنیادی مقصد پوری نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی ہے۔ غرض اسلامی قانون ہی وہ واحد خدائی قانون ہے جو اونچ نیچ سے پاک ایک متوازن اور فطری قانون ہونے کے باعث پوری نوعِ انسانی کے لئے امن و سلامتی کا باعث بن سکتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ج فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ج وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۔ (انعام: ۱۰۴)

(لوگو) تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے واضح دلیلیں پہنچ چکی ہیں۔ لہذا اب جس نے انہیں صحیح طور پر دیکھا، تو اس کا فائدہ خود اُسی کو ہوگا اور جو اندھا بنا تو اس کا وبال بھی اُسی پر ہوگا۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (نساء: ۱۷۴)

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے دلیل آچکی ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک نورِ روشن (قرآن) بھیجد یا ہے۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ

کہہ دو کہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (یونس : ۱۰۸)	ی جانب سے حق بات پہنچ چکی ہے، اس لئے اب جو کوئی راہ یابی پائے گا وہ اپنے بھلے کے لئے پائیگا اور جو صحیح راستے سے بھٹک جائیگا تو اس کا نقصان اُسی پر ہوگا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔

• یہ عالم انسانی کے لئے خلاق عالم کا واضح اور دو ٹوک فیصلہ ہے کہ اگر انسان کو اپنی بھلائی اور خیر مطلوب ہے تو خدا کی بات ماننے اور اس کے قانون کو اختیار کرے۔ وہ قانون جو نہ صرف حیات بخش ہے بلکہ ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر کرنا چاہتا ہے اور وہ کوئی دقیانوسی یا ازکار رفتہ قانون نہیں بلکہ ایک علمی اور سائنٹیفک چیز ہے کیونکہ وہ علم و عقل کی میزان میں بالکل کھرا اُترتا ہے اور اس بناء پر اگر کوئی قانون تمام اقوام کے لئے "مشترکہ قانون" (یونیفارم سول کوڈ) بننے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ یہی خدائی قانون ہے جو حکمتوں اور خوبیوں سے بھرپور ہے ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

برادرانِ اسلام کیلئے ایک عظیم خوشخبری
ماہنامہ
جریدہ الاشرف کراچی
جامعہ اشرفیہ سکھر و کراچی
کا ترجمان ہے
سلیس اُردو زبان میں ہر
اِسلامی ماہ کی پہلی تاریخ
کو شائع ہوتا ہے
الاشرف قارئین کی خدمت میں ملک کے ممتاز و
مایۂ ناز علماء کرام کے دینی، اصلاحی، علمی، ادبی اور تاریخی مضامین
پیش کرتا ہے۔
الاشرف نہایت قلیل عرصہ میں ملک و بیرون ملک کے تمام
دینی حلقوں میں ایک منفرد مقام حاصل کر چکا ہے۔
الاشرف دورِ جدید کا معیاری رسالہ ہونے کی بناء پر
ترقی کی طرف گامزن ہے۔
آپ بھی
اس کا مطالعہ فرما کر اپنی معلومات
میں اضافہ فرمائیں اور اس کی
خریداری و اشاعت میں
تعاون فرمائیں
پاکستان میں
زرِ سالانہ مبلغ پچاس روپے صرف
فی پرچہ پانچ روپے صرف
رجوع فرمائیں
ماہنامہ جریدہ الاشرف ۲۔ الاحمد مینشن، ۱۳۔ بی، گلشن اقبال کراچی ۴۷
فون: ۴۶۱۵۶۶

ADARTS HMD-6/87

جناب علی ارشد صاحب فیصل آباد

داؤدی بوہرہ فرقہ
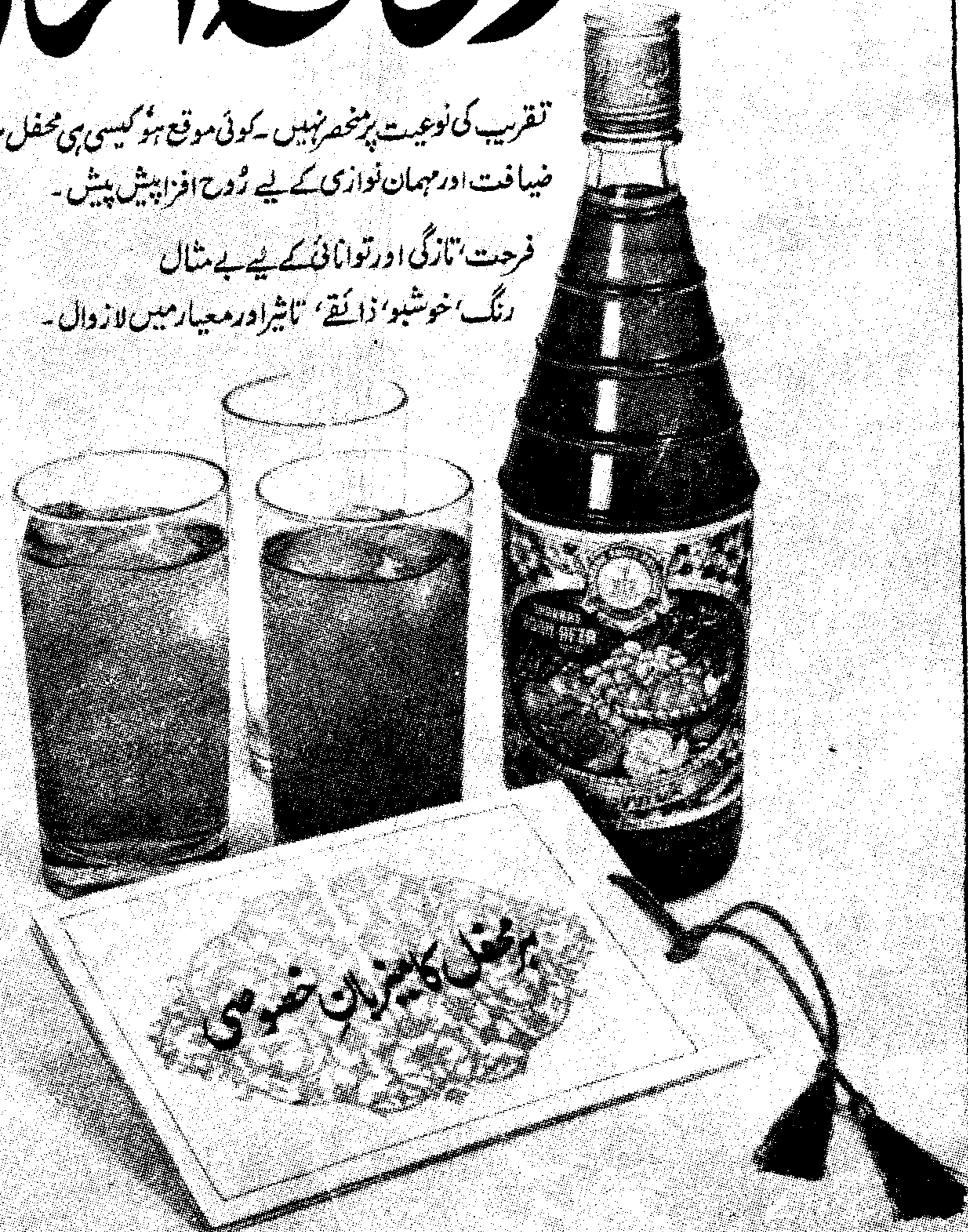
ناتھوانی کمیشن رپورٹ کے آئینے میں

بوہرہ معنی و مفہوم | سنسکرت کا لفظ "دویرا یو بیرہ رو" ہے جس کے معنی لین دین کے ہیں اس سے "ویاوہاری" یعنی بیوپاری نکلا۔ یہ لفظ تخفیف ہو کر "وِ وُہ رہ" ہو گیا۔ مسلمان اسے بوہرہ کہتے ہیں۔ بوہرہ کے معنی تجارت، حرفت اور خرید و فروخت کے ہیں۔ بوہ را بمعنی صراط مستقیم۔ بہاج بمعنی دور اندیش۔ کہا جاتا ہے کہ گجرات میں احمد شاہ اول کے عہد میں برہمنوں اور مہاجنوں کو مسلمان بنایا گیا۔ چونکہ یہ نومسلم عربوں کے ساتھ بوہار (بیوپار) کرتے تھے اس لئے بوہرے کہلائے۔ بُہرا ایک عربی قبیلہ بھی ہے جو مدینہ اور یمامہ کے آس پاس رہتے ہیں۔ بعض بوہرہ خاندانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ انہی قبائل سے متعلق ہیں۔ جب کہ بہرام جی ملاباری کا خیال ہے کہ بوہرے دراصل ہندو تھے اور اسی سبب سے ابھی ان میں ہندو عقائد و رسوم موجود ہیں۔ بوہروں کے نسلی بھائی مارواڑ، راجپوتانہ اور یوپی میں آباد ہیں۔ اور ہندو بوہرے کہلاتے ہیں[1] بوہروں میں شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی۔

تاریخی پس منظر | ناتھوانی کمیشن کے مطابق "مسلمان دو فرقوں میں بٹ گئے۔ شیعہ اور سنی

داؤدی کا تعلق شیعہ فرقہ سے ہے۔ ہندوستان میں زیادہ تر بوہرے گجرات، راجستھان، مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر میں رہتے ہیں۔ پاکستان، سری لنکا، برطانیہ، کینیڈا اور مشرقی افریقہ کے ممالک میں بھی ان کی قابلِ ذکر تعداد ہے۔ دنیا میں داؤدی بوہروں کی کل آبادی لگ بھگ دس لاکھ ہے۔ سُنیوں کی طرح شیعوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جن پر قرآن نازل ہوا۔ لیکن ان فرقوں میں یہی قدر مشترک ہے۔ اس کے بعد اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ شیعوں کی نظر میں داماد رسولؐ علیؓ کا رتبہ قریب قریب رسولؐ کے برابر ہے۔ سنّی بھی داماد رسولؐ کی حیثیت سے علیؓ کا احترام کرتے ہیں لیکن انہیں خدا کا نائب

[1] تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی۔ مترجم و مقدمہ ابو ظفر ندوی ص ۱۲۷

نہیں مانتے۔ علی کو رسول اللہ کے برابر درجہ دینے کو شیعہ عقیدہ کی نمایاں خصوصیت قرار دیا جاسکتا ہے۔ شیعوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ علی نص جلی کی رو سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں[1]

پھر شیعوں میں بہت سے فرقے پیدا ہوگئے۔ جن میں اسماعیلی بھی ہیں۔ یہ مصر میں حکمران بھی رہے۔ جب ۵۶۵ھ میں غازی صلاح الدین ایوبی نے مصر پر قبضہ کرلیا تو بہت سے اسماعیلی خاندان گجرات اور یمن میں آبسے۔ ۹۴۶ھ کو زیدی یمن پر قابض ہوئے تو اسماعیلیوں کا مرکز دعوت گجرات منتقل ہوگیا۔ اس جگہ ان کے ہم مذہب کثیر تعداد میں پہلے ہی موجود تھے۔ ایک داستان کے مطابق جس پر بوہروں کا یقین ہے۔ آخری امام ظاہر ابوالقاسم طیب تھے یہ آمر بحکم اللہ خلیفہ مصر کے ہاں ۴ ربیع الثانی ۵۲۴ھ کو پیدا ہوئے۔ جس مکان میں پیدا ہوئے اسے بیت حق معمور کہتے ہیں۔ ظلم وستم کی وجہ سے امام طیب پردہ غیب میں چلے گئے۔

بوہروں کا عقیدہ ہے کہ امام غائب کا کوئی نہ کوئی جانشین کرہ ارض پر ہمیشہ رہتا ہے اور ایک دن امام زماں خود کو ظاہر کردیں گے۔ امام طیب ائمہ کی ترتیب کے لحاظ سے ۲۱ویں امام ہیں۔ ان کے بعد داعیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ہر داعی نص جلی سے اپنا جانشین مقرر کرتا رہا ہے۔ ۲۶ویں داعی کے انتقال کے بعد (۱۵۸۹ء) سلیمان نامی شخص نے دعوٰی کیا کہ اس کو ۲۶ویں داعی نے جانشین مقرر کیا ہے۔ لیکن ایک جماعت نے اس دعوٰی کو مسترد کردیا۔ اور داؤد بن قطب شاہ کو جانشین مقرر کردیا۔ اسی کے پیروکار داؤدی بوہرے کہلاتے ہیں۔ موجودہ سربراہ اعلیٰ محمد برہان الدین ہیں جو ۱۹۶۶ء کو گدی پر بیٹھے۔ یہ سلسلہ کا ۵۲ ویں داعی ہونے کے دعویدار ہیں۔

ناتھوانی کمیشن | یہ کمیشن داؤدی بوہرہ فرقہ کے اصلاح پسند ارکان کے ساتھ مذہبی سربراہ اعلیٰ کے نام پر ان کے معتقدوں کے ظالمانہ سلوک کے سلسلہ میں شکایات کی چھان بین کے لئے قائم کیا گیا۔ داؤدی بوہرہ فرقہ کے کچھ اصلاح پسند لیڈروں نے "سٹی زنز فار ڈیموکریسی" سے شکایت کی کہ فرقہ کے ارکان کو شہری آزادی حاصل نہیں ہے۔ سربراہ اعلیٰ اور اس کے معاونین انہیں پریشان کرتے ہیں۔ اور یہ طریقے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے مترادف ہیں۔ اصلاح پسند ارکان نے سٹیزنز فار ڈیموکریسی سے درخواست کی کہ ان الزامات پر توجہ مبذول کی جائے۔ اور مناسب تفتیش کی جائے سٹیزنز فار ڈیموکریسی بقول ان کے "زندگی کے تمام شعبوں میں جمہوری قدروں کو مضبوط بنانے والی تنظیم ہے۔ یہ سماجی، اقتصادی اور ثقافتی شعبے ہیں۔ یہ نہ تو سیاسی پارٹی ہے اور نہ کسی سیاسی پارٹی کی حمایت کی پابند ہے۔ یہ تنظیم معقول اور تعمیری نظریات کو فروغ دے کر عوامی حمایت حاصل کرنے میں یقین رکھتی ہے۔ اس کا مقصد (ا) عوامی مخالفت کے حق کو تسلیم کرانا اور عام طور

---

[1] ناتھوانی کمیشن رپورٹ دہلی ۱۹۷۹ء صلا

پر شہری آزادی کا تحفظ کرنا (ب) جمہوری اصولوں اور فرد کے وقار کو تسلیم کرنا اور اس کی بنیاد پر چھوت چھات کی روک تھام کرانا، ذات پات اور فرقہ پرستی کا سدِ باب کرنا اور سماجی واقتصادی مساوات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرانا ہے" (کمیشن رپورٹ ص ۵، ۶)

تنظیم کی قومی مجلس عاملہ نے اصلاح پسند بوہروں کی درخواست منظور کر لی۔ دہلی ۱۳، اگست ۱۹۷۷ء کی میٹنگ میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی جسے ارکان شامل کرنے کے اختیارات دئے گئے اور تحقیقات کی شرائط طے کی گئیں کمیٹی کو ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ غیر جانب داری سے چھان بین کر کے رپورٹ پیش کرے۔ کہ سربراہ اعلیٰ کے نام پر داؤدی بوہرہ فرقہ کے اصلاح پسند ممبروں کے انسانی حقوق کی مبینہ خلاف ورزی ہوتی ہے۔ کمیشن مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل تھا۔

شری این بی ناتھوانی چیرمین بمبئی ہائیکورٹ کے سابق جج اور اس وقت کے لوک سبھا کے ممبر۔ ڈاکٹر مس آلو دستور ممبر بمبئی یونیورسٹی پولٹیکل سائنس کی سابق صدر اور حکومت ہند کے مقرر کردہ اقلیتی کمیشن کی رکن۔ وی۔ آر تار کنڈے ممبر ہائیکورٹ کے سابق صدر اور سٹیزنز فار ڈیموکریسی کے جنرل سکریٹری۔ ڈاکٹر عالم خوندمیری ممبر شعبہ فلسفہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد۔ ڈاکٹر معین شاکر ممبر شعبہ پولٹیکل سائنس مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد۔ سی ٹی دارو سکریٹری ریڈیکل ہیومانسٹ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری۔

باقاعدہ غور و خوض کے بعد کمیٹی نے ایک سوالنامہ تیار کیا اور اسے ایک خط کے ساتھ انگریزی اور گجراتی زبانوں میں داؤدی بوہرہ فرقوں کے تمام گروہوں میں تقسیم کیا۔ کمیشن کی تقرری کے فوراً بعد اس کے خلاف "سربراہ اعلیٰ گروپ" نے کافی شور و غل کیا۔ انہوں نے کمیشن کے کام میں رخنہ ڈالنے کے لئے باقاعدہ مہم شروع کر دی۔ مختلف مقامات پر جہاں بوہروں کی آبادی زیادہ ہے کمیشن کے خلاف مظاہرے کرائے گئے۔ ریاستی سرکار سے مانگ کی گئی کہ کمیشن کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے۔ بوہرہ فرقہ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ "سی۔ ایف۔ ڈی" ان کے مذہبی عقیدہ اور مسلک میں مداخلت کر رہی ہے۔ اس لئے بائیکاٹ اور مخالفت کی مستوجب ہے۔ کمیشن کے خلاف پروپیگنڈہ مہم ترتیب دینے کے لئے دورِ ایمرجنسی کے بدنام چیف سنسر جے۔ ڈی پنہا کی خدمات حاصل کی گئیں۔ کمیشن کی طرف سے وضاحت کی گئی کہ کمیشن داؤدی بوہرہ فرقہ کے عقائد کے متعلق تحقیق نہیں کرے گا وہ صرف یہ جائزہ لے گا کہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے الزامات درست ہیں یا نہیں۔ وضاحت میں یہ بات زور دے کر کہی گئی تھی کہ مذہبی آزادی کے یہ معنی نہیں کہ کسی مذہبی سربراہ یا اس کے ایجنٹوں کو ضمیر کی آزادی اور فرقہ کے لوگوں کی آزادیٔ اظہار اور برسرِ اقتدار طبقہ کے طریقۂ کار کی نکتہ چینی یا تنقید کے حق ہی کو کچل دیا جائے

ملاجی[1] کے حامیوں نے دیگر مسلمانوں کی حمایت حاصل کی کوشش کی گئی۔ لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ ملاجی نے کمیشن کے خلاف اپنے پیروکاروں کو "جہاد" پر آمادہ کیا۔ میٹنگ سے ایک دن پہلے کچھ غنڈوں نے بمبئی میں چیئرمین کے مکان پر حملہ کیا اور دروازہ توڑ دیا۔ میٹنگ کے دن اس جگہ کو گھیرنے کی کوشش کی گئی۔

ہجوم کو تشدد پر آمادہ دیکھ کر پولیس کو امتناعی اقدامات کرنے پڑے۔ اس کے باوجود کمیشن کے چیئرمین سیکریٹری اور دیگر ارکان کو بہت سے تار اور خطوط ملے جن میں کمیشن کی تقرری کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی گئی۔ کچھ افراد نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کے نام صیغہ راز میں رکھے جائیں۔ لیکن زیادہ تر لوگوں نے کھل کر جواب دیا تھا۔ کمیشن کی آٹھ میٹنگیں ہوئیں۔

ملا صاحب اور ان کے حامیوں کے بائیکاٹ کے باوجود ۱۰۷۵ - افراد نے جوابات ارسال کئے۔ کمیشن نے تحریری حوالوں اور زبانی و دستاویزی شہادت کا بڑی احتیاط سے جائزہ لیا۔ کمیشن کا خیال ہے کہ اس کے سامنے پیش کی گئی شہادتیں کافی اور ٹھوس ہیں مخالفین اس کی تردید کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔

"سیدنا" کا قادر مطلق ہونے کا دعویٰ | بمبئی میں چاندا بھائی کا مقبرہ اور ایک گلا (ایک صندوق جس میں چڑھاوے ڈالے جاتے ہیں) بھی ہے۔ بدری محل جو کہ ایک شاندار عمارت اور بمبئی کے بارونق بازار میں واقع ہے۔ نیز گلا کی رقم سے خریدی گئیں چار غیر منقولہ جائدادیں جنہیں ملاجی بلا استحقاق نجی مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ایک شخص ابراہیم آدم جی اور کچھ دوسرے لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ نہایت نامناسب بات ہے کہ گلے میں آنے والی رقوم اور ان سے خریدی گئی جائدادیں ملا صاحب اپنے اور اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر لیں۔ ابراہیم جی وغیرہ نے سکیم تیار کی کہ ایک ٹرسٹ قائم کر دیا جائے اور یہ سب جائدادیں اس کے حوالے کر دی جائیں۔ اس وقت کے سربراہ اعلیٰ طاہر سیف الدین نے دعویٰ کیا کہ انہیں فرقہ کے تمام افراد کی جان و مال میں جن میں خیراتی اور عمومی فنڈ شامل ہیں اختیار کلی حاصل ہے۔ بحیثیت داعی وہ کسی کو جواب دہ نہیں ہیں۔ بمبئی ہائیکورٹ میں ۱۹۱۷ء کو ایک مقدمہ دائر کیا گیا جس میں بہت سی دلچسپ باتیں سامنے آئیں۔

"سماعت کے ابتدائی مراحل میں مدعا علیہ کے وکیل نے یہ دلیل پیش کی کہ ملاجی صاحب خدا ہیں یا عملاً خدا ہیں"۔[2]

---

[1] داؤدی بوہرہ فرقہ کے سربراہ اعلیٰ کے مختلف القاب ہیں جیسے داعی مطلق، سیدنا صاحب۔ بڑے ملاجی وغیرہ

[2] حکیم نجم الغنی مرحوم نے اپنی کتاب مذاہب الاسلام میں اس مقدمے کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ:

مقدمہ کے دوران ملا صاحب کے حکم سے ان کے وکیل نے یہ بھی کہا کہ ملا صاحب بغیر کسی واسطے کے خدا کے نائب ہیں بلکہ سچ پوچھو تو خدا ہیں کیونکہ بوہرہ قوم ان کو خدا مانتی ہے۔ کھنڈوتے کے مقدمے میں (باقی اگلے صفحہ پر)

اس لئے یہ مقدمہ ایک بے ادبی ہے۔ بعد میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ ملاجی کو اگرچہ پیغمبر کا درجہ حاصل نہیں ہے لیکن انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات حاصل ہیں اور یہ کہ وہ ولی ہیں۔

مدعا علیہ کے گواہوں نے دعویٰ کیا کہ ملاجی امام غائب کے علاوہ کسی کو جواب دہ نہیں۔ وہ زمین پر اللہ کے نمائندہ ہیں۔ خطاؤں سے پاک اور معصوم ہیں۔ گواہوں نے مزید کہا کہ ان کے مذہب کی رو سے ملاجی فرقہ کے ہر فرد کے دماغ، جائیداد، جسم اور روح کے مالک ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں کے لئے ضروری ہے کہ آنکھ بند کر کے ان کی پیروی کریں اور وہ کسی اقدام پر انگلی نہیں اٹھا سکتے۔ وہ اپنے پیروکاروں سے کوئی بھی جائیداد، وقف یا نجی لے سکتے ہیں۔ ایک گواہ نے کہا کہ ملاجی فرقہ کے مالک و مختار ہیں۔ ہر چیز پر ملا کا حق ہے ہم صرف ان کے مہتمم و منشی ہیں۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ داعی المطلق امام کا نمائندہ ہے۔ اور امام کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے

بقیہ گذشتہ صفحہ ایک شخص احمد علی نے ملا علی بھائی سے سوال کیا کہ کیا تم ملا صاحب کو جانتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ زمین کا خدا مانتا ہوں۔ ملاجی نے یہ بھی کہا تھا کہ بوہرہ قوم کی ہر ایک مسجد بند کرنے کا مجھ کو حق ہے لیکن ۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ملا صاحب کے فرمان کے مطابق ان کے وکیل نے ظاہر کیا کہ ملا صاحب کو بوہرہ قوم کی کسی مسجد کو بند کرنے کا حق نہیں ہے ہاں صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اپنے مریدوں کو کسی مسجد میں جانے سے منع کر دیں۔ ملا صاحب نے یہ بھی کہا کہ ان کو الہام ہوتا ہے اور وہ ہر ایک کام الہام سے کرتے ہیں۔

جسٹس مارٹن نے سوال کیا کہ بمبئی میں دو ملکیتیں ہیں ایک موقوفہ مریم بائی صاحبہ دوسری موقوفہ دزیر بائی صاحبہ ان کے خط و قبالہ میں آپ کے پیش رو ملا عبداللہ بدرالدین صاحب ٹرسٹی گردانے گئے تھے۔ اور ان قبالوں پر ان کے دستخط موجود ہیں۔ اسی طرح ۱۹۱۸ء میں آپ نے بھی دستخط کئے۔ اور آپ بھی ٹرسٹی مقرر ہوئے ہیں۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ بوہرہ قوم کے اوقاف مسجد، قبر، دعوت فنڈ، گو لک وغیرہ کے آپ ٹرسٹی ہیں۔ مالک کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس پر ملا صاحب نے جواب دیا کہ میں نے وہ خط قبالہ نہیں پڑھا تھا کیونکہ وہ انگریزی میں تھا اور نہ ہی وکیل نے پڑھ کر سنایا۔

اس پر مارٹن صاحب نے کہا کہ آپ داعی مطلق ہیں اور بقول آپ کے آپ کا تعلق خدا سے براہ راست ہے۔ اور آپ ہر کام الہام سے کرتے ہیں تو کیا دستخط کرتے وقت الہام نہیں ہوا کہ ان قبالوں میں آپ ٹرسٹی مقرر ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان پر دستخط نہ کیجئے۔

اس کے جواب میں ملا صاحب نے کہا۔ کہ الہام نہ مجھ کو ہوتا ہے نہ امام، نہ وصی کو اور نہ نبی کو۔ ملا صاحب نے یہ بھی کہا تھا کہ میں کبھی غلطی نہیں کر سکتا اور نہ کبھی جھوٹ بولتا ہوں۔ پیغمبروں اور اماموں کی طرح معصوم ہوں۔"

(مذاہب الاسلام صد ۳۲۲ - ۳۲۴)

خدا کا نمائندہ ہے اور عوام کو اللہ کی رضا سے آگاہ کرتا ہے۔ پس جس صورت سے امام معصوم ہے۔ داعی بھی معصوم ہے۔

جسٹس مارٹن نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ یہ بات غلط ہے کہ ملّا صاحب خدا کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ کہ موجودہ مقدمہ بے حرمتی کے مترادف ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات مسلمانوں کے اس بنیادی عقیدہ کے خلاف ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ دنیا کے تعلیم یافتہ لوگ اس بات سے واقف ہیں۔ جسٹس مارٹن کہتے ہیں:۔

"یہ بات عیاں ہے کہ جب ۴۹ویں داعی برہان الدین گدی نشین ہوئے تو اس وقت کافی قرضدار تھی۔ واضح ہے کہ ان قرضوں کی وجہ سے دعوت کو کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہو گا۔ یہ بڑی تکلیف دہ بات ہے کہ دونوں (داعیوں) کے قرضے اتارنے کے لئے ایسے اقدامات کئے گئے جو داعی کے شایان شان نہیں ہیں۔ ایک داؤدی بوہرہ عبدالطیب بھی قرض خواہ تھا اور وہ داعی کو حقیقتاً جیل بھجوانے کے درپے تھا لیکن اس وقت داعی نے ایک لفظ بھی ایسا نہیں کہا کہ وہ اپنے پیروکاروں کے جسم، روح اور جائیداد کے مالک ہیں۔ حالاں کہ یہ دلیل پیش کرنے کا موزوں وقت وہی تھا" (کمیشن رپورٹ ص ۷، تا ۲۲)

اس مقدمہ نے داعی کی خود ساختہ روحانیت کا لبادہ اتار دیا۔ وہ مذہبی رہنما تو برقرار رہا لیکن جو شاہانہ تاج وہ پہننا چاہتا تھا اس سے محروم رہا۔ اور اس کا مرتبہ ایک فانی انسان کا مرتبہ ہو گیا۔ لیکن کیا وہ اپنے اس مقام اور مرتبے سے مطمئن تھا؟ ملاجی نے خدایا صاحب خدا نائب رسول اور نمائندہ امام کی مسند پر بیٹھنے کے لئے کیسے کیسے انسانیت سوز ہتھکنڈے استعمال کئے۔

ناتھوانی کمیشن رپورٹ سے رجوع کیجئے۔

میثاق اصلاحی گروہ کی سب سے سنگین شکایت یہ ہے کہ میثاق، تابعداری کی وہ قسم جو سیدنا عامل بوہرہ نوجوانوں سے لیتے ہیں۔ ان کی ایذا رسانی کا اصل آلہ ہے۔ یہ بڑی جابرانہ شے ہے جو بوہرہ نوجوانوں کو خدا کے بجائے سیدنا کی ذات کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا پابند بناتی ہے۔ اس حلف کو اصلاحی گروہ کے خلاف مختلف قسم کے غیر انسانی برتاؤ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس میں سماجی بائیکاٹ پیشوا طبقہ کا معمولی حربہ ہے۔ ص ۲۵

۱۳ سے ۱۵ سال کی عمر کے ہر لڑکے لڑکی کو عامل (سیدنا کا نائب) قسم کھلواتا ہے قسم دینے کا مطلب سیدنا کو میثاق دینا ہے۔

"ملا صاحب کے ترجمان دعوی کرتے ہیں کہ یہ میثاق رضا کارانہ طور پر لیا جاتا ہے۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر کوئی بڑے ملا کو اپنی زندگی کا مالک نہیں سمجھتا تو اسے حلف نہ لینا چاہئے۔ یہ دلیل ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

کوئی پیدائشی داؤدی بوہرہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بوہرہ کہلانے کا حق دار تب ہے جب حلف اٹھالے۔

ایک گواہ نے دستاویز پیش کی جو ۲۹ جولائی ۱۹۶۸ء کا ایک نوٹس ہے۔ یہ موجودہ سیدنا صاحب کی جانب سے ان کے سکریٹری نے کمپالا (یوگنڈا) کے ابراہیم محمد علی کو دیا۔ نوٹس کے جملے یہ ہیں:۔

" ہر داؤدی بوہرہ کا یہ مقدس فریضہ ہے کہ متعلقہ زمانے کے داعی کو میثاق دے۔ اور اس کے بعد میثاق میں کئے گئے وعدوں پر پورے یقین کے ساتھ عہد کرے، داعی مطلق کے فرمانوں کو مانے اور ان کا نفاذ کرے۔ میثاق کی خلاف ورزی، داعی مطلق کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ حسب دلخواہ میثاق شکن شخص کو کسی بھی استحقاق سے محروم کرے۔" [۴۳]

حلف شکنی کرنے والا اگر دوبارہ برادری میں آنے پر آمادہ ہو تو اسے معافی نامہ پر دستخط کرنا پڑتے ہیں جسے انجمن تیار کرتی ہے۔ ایسا ہی ایک معافی نامہ علی حسین جعفر حسین کو فراہم کیا گیا۔ نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

۴۹۶/۱۱۰ مورخہ ۲ فروری ۱۹۷۵ء

انجمن بزیانی جماعت کمیٹی بھاؤ نگر

بعد ادائے آداب ۔۔۔ منکہ علی حسین جعفر حسین رنگ والا جس کی برأت (سوشل بائیکاٹ) کا نفاذ کیا گیا ہے میں بذریعہ تحریر ہذا انجمن جماعت بوہرہ کمیٹی کے سامنے اقرار کرتا ہوں کہ دعوت کے خلاف کچھ کہنا میری عادت نہیں ہے لیکن اگر کوئی بات دعوت کے خلاف (غیر ارادی طور پر) کبھی بھی ہو یا کوئی تنازعہ پیدا کیا ہو تو اب اللہ اور اللہ کے داعی کے نام پر کہتا ہوں کہ میں مولانا کا غلام ہوں اور مجھے اس پر یقین رہا ہے اور برابر یقین رہے گا۔ آئندہ کوئی تنازعہ کھڑا کروں تو جو چاہیں قدم اٹھائیں۔ میں سیدنا کا ناچیز غلام ہوں اور مولا میرے آقا ہیں اور مجھے معاف فرمائیں۔"

عبد سیدنا طاہر سیف الدین علی بن جعفر حسین

۵۱ ویں داعی کی مسند نشینی سے قبل داؤدی بوہروں کو کافی آزادی اور اختیارات حاصل تھے۔ رسوم نکاح، شادی اور تجہیز و تکفین کے فرائض، داعی کی پیشگی اجازت کے بغیر ادا کر سکتے تھے۔ روزمرہ کے کاموں، جماعت کو چلانے، مقامی نمائندوں کو منتخب کرنے، پیسہ جمع کرنے اور خرچ کرنے کی آزادی تھی۔ ۵۱ ویں داعی طاہر سیف الدین نے تمام اختیارات اپنے قبضے میں کر لئے۔ اور مذکورہ بالا رسوم و فرائض ادا کرنے کے لئے عامل مقرر کئے۔ اختیارات کی اس مرکزیت نے انہیں مطلق العنان اور خود سر بنا دیا۔ دولت آنے سے طاقت میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے مہد سے لحد تک ایک ایک داؤدی کی زندگی کے ہر پہلو پر اپنی گرفت قائم کر لی۔ اب ان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کام چاہے مذہبی ہو یا غیر مذہبی نہیں ہو سکتا۔ اس وقت سیدنا خاندان کے ۸۰۰ افراد ہیں اور ہر فرد خود کو ایک چھوٹا سلطان یا فرماں روا سمجھتا ہے۔

سیدنا نے اصلاح پسند تحریک کو دبانے اور کچلنے کی پالیسی اپنائی۔ لیکن اصلاح پسند منظم ہونے کی کوشش

میں مصروف رہے۔ اصلاح پسندوں نے بمبئی میں ایک کانفرنس بلائی۔ کانفرنس سے ایک گھنٹہ پہلے طاہر سیف الدین کے بھیجے ہوئے غنڈوں نے جن کی تعداد پانچ ہزار تھی۔ سندر بائی ہال پر جہاں کانفرنس ہونے والی تھی زبردستی قبضہ کر لیا۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۷ء تک برادری کے لوگ اس قدر خوف زدہ تھے کہ کوئی بھی کھل کر سیدنا کے خلاف بولنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ ۱۹۵۷ء کے بعد اصلاح پسندوں میں پھر بیداری کے آثار نظر آنے لگے۔

گجرات کے قصبہ بگسرا میں اصلاح پسندوں نے سیدنا کے آمرانہ اختیارات کے خلاف آواز اٹھائی ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۵ء کے وسط میں گودھرا (گجرات) کے مقام پر بہت بڑی تعداد نے سیدنا کے احکامات کو مسترد کر دیا جو داؤدی بوہرہ فرقہ کے حقیقی عقیدے کے خلاف تھے۔ سیدنا کی پیشگی اجازت کے بغیر بہت سی شادیاں کی گئیں اور بہت سے مُردے دفنائے گئے۔

ان باغیوں کے خلاف "برأت" کا ہتھیار استعمال کیا گیا۔ داعی کے خلاف احتجاج کرنے والوں کے رشتہ داروں۔ ماں باپ اور دوست احباب سے کہا گیا کہ وہ ان سے روابط ختم کر دیں۔ ۱۹۷۳ء میں اودے پور کے تعلیم یافتہ لوگوں نے بوہرہ یوتھ ایسوسی ایشن نامی تنظیم رجسٹرڈ کروائی۔ اس کا مقصد بوہروں کے لئے فلاح و بہبود کا کام کرنا تھا۔ تنظیم نے ایک کوآپریٹو بینک، سکالرشپ سوسائٹی اور ایک لائبریری کو چلانا شروع کیا۔ سوسائٹی کے چار سرگرم ممبروں نے میونسپل الیکشن لڑنا چاہا مگر انہیں داعی نے اجازت نہ دی۔ ارکان نے انکار کے باوجود الیکشن لڑا اور سیدنا کے کھڑے کئے ہوئے امیدواروں کو تباہ کن شکست دی۔

یہ کھلی خلاف ورزی پیشوا خاندان میں غیض و غضب پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ داعی نے اپنے بیٹے قائد جوہر کو اودے پور بھیجا کہ فوراً ایسوسی ایشن اور بینک کو توڑ دیا جائے اور تمام سرگرمیاں معطل کر دی جائیں۔ بوہروں کی اکثریت نے مخالفت کی۔ سیدنا کے بیٹے نے اعلان کیا کہ ہندوستان کا آئین چاہے جو بھی کہتا ہو ہمارا مذہب (یعنی داعی کے اختیارات) ملک کے مروجہ قانون سے بلند ہے۔ داعی نے اودے پور کے دس ہزار بوہروں کے سماجی بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔

سیدنا سے گفتگو کرنے کے لئے بوہروں کا ایک گروپ جس میں عورتیں بھی شامل تھیں راجستھان میں گلیا کوٹ درگاہ گیا جہاں وہ مقیم تھے۔ ملاجی نے ایک نہ سنی اور غنڈوں نے بری طرح زدوکوب کیا۔ "سیدنا کی ناک کے نیچے عورتوں کو رسوا کیا گیا اور انہیں اپنی عزت بچانے کے لئے بھاگنا پڑا۔ سماجی بائیکاٹ سے بوہروں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا [illegible] کی جانب اس وقت کی وزیر اعظم کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ لیکن کوئی خاص مدد نہ ملی۔ مذہبی پیشواؤں نے بوہرہ برادری پر ظلم و ستم کا سلسلہ دراز کر دیا۔ (رپورٹ ۷۵) (جاری)

- قرآن وسُنّت کو سپریم لاء بنانے کا بل
- اسلام عدل وانصاف میں تفریق کا روادار نہیں
- انصاف کی جلد اور مُفت فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے
- اغواء اور بدامنی ادر
- موجودہ عدالتی نظام کی زبوں حالی

ذیل میں حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کا ایوان بالا سینیٹ میں ایک اہم خطاب سینیٹ سیکرٹریٹ کی رپورٹ سے اخذ کرکے پیشِ خدمت ہے، جو ۱۹ اکتوبر ۸۷ء کو ہوا۔ خدا کرے کہ اس کے اثرات اور نتائج دُور رس ہوں۔ "ادارہ"

مولانا سمیع الحق: جناب چیئرمین! میری گذارش یہ ہے کہ سینیٹ ایک اہم ترین اور وقیع ادارہ ہے۔ یہاں کے ممبران کو بھی یہ پورا حق حاصل ہے کہ وہ ایک بل کا بغور مطالعہ کریں، اس پر اپنی رائے ظاہر کریں۔ پرسوں رات ہم نے دس منٹ میں پانچ بل پاس کردیئے، اس کا اچھا اثر بھی ملک پر نہیں پڑا۔ اب مثلاً یہ بل ہے جو ابھی ہمارے سامنے آیا ہے، جس پر ہم نے ابھی تک ایک نظر بھی نہیں ڈالی ہے۔ اس طرح سینیٹ میں ہر بل کو فوراً منظور کردینا، خود سینیٹ کے حق میں بہتر نہیں ہے۔ ہم نے تو ہمیشہ مفاہمت کے جذبہ کے تحت کسی معاملے کو اُلجھانے کی کوشش نہیں کی ہے، جو بھی معقول چیز قومی اسمبلی سے آئی ہے، سینیٹ نے اس کو منظور کیا ہے، لیکن ہم نے اس دو ڈھائی سال کے عرصہ میں صرف ایک بل قومی اسمبلی کو بھیجا ہے جو کہ اہم ترین بل ہے جسے سینیٹ نے متفقہ طور پر پاس کیا تھا، جو کہ نواں ترمیمی بل ہے۔ افسوس یہ ہے کہ قومی اسمبلی نے سینیٹ کے اِس پاس شدہ بل پر اس دلچسپی کا اظہار نہیں کیا اور نہ ہی وہ اہمیّت دی ہے جو اسے دینی چاہیئے تھی، حالانکہ وہ بل قرآن وسُنّت کو سپریم لاء بنانے کے بارے میں تھا، جس کے بارے میں کسی کی بھی دو رائے نہیں ہوسکتی تھیں لیکن پتہ نہیں ہے کہ قومی اسمبلی نے اس کو کیوں سرد خانے میں ڈال دیا ہے۔

دوسری طرف، اگر ہمارے پاس کوئی بل آتا ہے تو اسے قواعد وضوابط سے الگ تھلگ رکھ کر، قواعد میں جو گنجائش بھی ہوتی ہے، اس سے الگ رہ کر پاس کرالیا جاتا ہے، اس لئے میں بھی اس حق میں ہوں کہ یہ بڑی معقول تجویز ہے کہ ہمیں اس پر غور کرنے کا موقع دیا جائے اور اسے منتخبہ کمیٹی کے حوالے کیا جائے، خواہ اس کے لئے ایک محدود وقت ہی کیوں نہ مقرر کیا جائے جو کہ دس پندرہ دن کا ہی کیوں نہ ہو۔ اس عرصہ میں ہم اس

پر غور کر سکیں ہے یہ نہایت اہم بل ہے ۔ اندازہ نہیں کہ اس سے قوم اور عام شہریوں کے لئے . . . تو میں بھی یہ تجویز پیش کروں گا کہ اس کو منتخب کمیٹی کے حوالے کیا جائے ۔ آپ ایک محدود وقت مقرر کر دیں کہ وہ اس وقت میں اپنی رائے ہاؤس میں پیش کر دیں ۔ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں کچھ وقت تو ملے جس میں ہم اس پر کچھ غور و فکر کر سکیں ۔

مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین صاحب ! بہتر صورت تو یہی ہوتی کہ ہمیں اس بل پر جیسا کہ اس کا تقاضا ہے، اس پر غور و فکر کا موقع دیا جاتا، اس کا ہم جائزہ لیتے لیکن بہرحال جو موٹی موٹی چیزیں سامنے ہیں ان پر میں دو، تین منٹ گذارش کروں گا، ایک تو یہ بل ایک آرڈیننس کی شکل میں اسمبلی میں آیا، اور وہاں سے سینٹ میں آیا، تو مناسب تو یہ تھا کہ قومی اسمبلی اور سینیٹ اور یہ جمہوری ادارے قائم ہیں تو آرڈیننس جاری کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور فوری طور پر کوئی مسئلہ پیش ہو تو اجلاس بلایا جا سکتا تھا، کم از کم میں نہیں سمجھتا ہوں، شاید مجھے ضوابط اور قواعد اور قانون کا اتنا علم نہیں، کہ ایک طرف تو جناب صدر محترم کہہ دیتے ہیں کہ اسلامی نظام کا نفاذ آرڈیننس کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا۔ پچھلے دنوں انہوں نے واضح طور پر کہا تھا کہ اس کام کے لئے آرڈر جاری نہیں کیا جا سکتا اور اس کے لئے جمہوری ادارے اور پارلیمنٹ موجود ہے۔ ایسے کوئی مسائل جب سامنے آتے ہیں تو وہاں ان کا معیار الگ ہوتا ہے، وہ آرڈیننس جاری کر لیتے ہیں اور پھر جمہوری اداروں کے پاس بھیجتے ہیں توثیق کے لئے۔ تو یہ دوھرا نظام اسلام کے بارے میں، کسی بل کے بارے میں اور کسی آرڈیننس کے بارے میں اور امور کے بارے میں کیوں ہے؟

دوسری گذارش یہ ہے کہ ابھی پچھلے دنوں ہم ایک بل پاس کر چکے ہیں، اگر اس بل سے بھی تخریب کاری فتنہ فساد اور جو سازشیں ملک دشمن عناصر کرتے ہیں، ان کو روکنا مقصود تھا، تو تخریب کاری کے بارے میں جو بل پاس ہوا ہے، اس سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا تھا۔ اگر اس میں کچھ کمی تھی اور کچھ تقاضے تھے تو وہ بھی اس ایک بل میں ڈال دیئے جاتے اور قوم کے سامنے ایک ہی چیز آ جاتی لیکن اس بل کے فوراً بعد اس بل کو دوبارہ پیش کرنا، اس میں یہ خطرات ہیں کہ خدانخواستہ اس سے غلط فائدہ نہ اٹھایا جائے، اس بل سے مخصوص مفادات حاصل ہوں اور اس بل سے سیاسی مخالفین کے خلاف استعمال کیا جا سکتا ہے، یہ خدشات اپنی جگہ موجود ہیں۔ اب اس بل کی دفعہ ۲ میں کہا گیا ہے جو سامنے ہے بلکہ دفعہ ۳ میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر حکومت کی یہ رائے ہو کسی جرم سے متعلق کسی مقدمہ کی مفاد عامہ میں فوری سماعت ہونا اور فیصلہ ہونا چاہیئے تو حکم دے سکیگی کہ اس مقدمہ کی سماعت خصوصی عدالت کے ذریعے کی جائے اس معاملے میں اصولی بات یہی ہے کہ ظالم کو ظلم کی سزا دی جائے اور مظلوم کو انصاف ملے اور مجرم کو عبرتناک سزا ہو، یہ عدل و انصاف کا مسئلہ ہے۔ اس میں اسلام کی نظر

میں کوئی تفریق ہے ہی نہیں کہ کوئی معاملہ ایسا اہم ہے اور کوئی غیر اہم ہے۔ اسلام کی نظر میں ہر ظالم کو فوری طور پر سزا ملنی چاہیئے، یہ حکومت کی رائے پر نہیں ہے بلکہ حکومت کا فریضہ ہے کہ کہیں بھی کوئی زیادتی اور ظلم ہوا ہے تو ایسا نظام حکومت کو بنانا چاہیئے کہ فوراً مجرم کو سزا ملے اور مظلوم کو فوراً انصاف اس کے گھر تک پہنچایا جائے۔ یہاں سستے اور مہنگے انصاف کا بھی تصور نہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ حکومت سستا انصاف فراہم کرے، حکومت کا فرض ہے کہ سستا نہیں بلکہ مفت انصاف فراہم کرے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات ہیں، اس کے گھر تک تم خود انصاف پہنچاؤ گے، یہ حکومت کا فریضہ ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ دریائے فرات کے کنارے اگر کوئی کتا بھوک سے مر جائے یا اس سے زیادتی ہو تو اس کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا۔

اور اگر کسی خارش زدہ اونٹ کو دوائی نہ ملے، جانوروں اور کتوں کے بارے میں بھی باز پرس ہو گی، انسان تو بڑی چیز ہے۔ یہاں تو عدالتی نظام اس سسٹم کے تحت چل رہا ہے، اس سے مظلوم ۳۰، ۴۰، ۴۰ سال تک تڑپتا رہتا ہے اور ظالم کو سزا نہیں ملتی، اس کی دادرسی نہیں کی جاتی، ابھی پتہ نہیں ایک شخص ۲۲ سال یا ۲۲ سال بعد بے گناہ جیل سے رہا ہو کر آیا اور خود صدر صاحب نے محسوس کیا کہ میں اس کے گھر جا کر اس کی کچھ تسلی کروں! ـــــــ اس ملک میں ایک شخص کو بے گناہ ۲۲، ۲۳ سال جیل میں رکھا گیا ہے تو یہ سارا عدالتی نظام اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی فوری سماعت کرے اور غریب کی فوری دادرسی کی جائے اور ملزم کو سزا ملے۔ چار چار نسلوں تک مقدمات چلتے رہتے ہیں۔ اب یہ حکومت کی رائے پر نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ حکومت کا فریضہ ہو کہ عدالت اور عدلیہ کا سارا سسٹم ہی تبدیل کرے، پھر مجرم اس طرح آزاد گھومتا پھرتا نہیں رہیگا اور نہ وہ روپے پیسے سے انصاف کو خرید سکیگا تو اصل معاملہ عدالتی نظام کا ہے جس کے بارے میں پچھلے دنوں وزیر قانون نے بار بار کہا ہے کہ موجودہ عدالتی نظام جو ہے وہ فوری انصاف فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے، جب یہ صورت حال ہے تو پھر حکومت پر نہیں چھوڑنا چاہیئے کہ فلاں معاملہ ہے، اس کو خصوصی عدالت میں لے جائیں اور دوسرا نہ لے جائیں ـــــ کھ

پھر آگے چل کر پتہ چلتا ہے کہ حکومت کو خصوصی عدالتوں پر بھی اعتماد نہیں رہا۔ ان خصوصی عدالتوں پر بھی اعتماد ہوتا تو دفعہ ۶ میں کہا گیا ہے اگر ایک خصوصی عدالت قائم بھی ہو جائے اور وہ کسی مقدمہ کی سماعت کرے، پھر بھی یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ اس خصوصی عدالت سے مقدمہ دوسری خصوصی عدالت میں منتقل کر سکیگی۔ اگر فوری انصاف مہیا کرنا مقصد تھا تو ایک خصوصی عدالت ہی کافی تھا، اس سے یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ خصوصی عدالت حکومت کے مفادات کا تحفظ نہ کر سکے یا وہ ڈٹ جائے

کہ میں کوئی ایسی صورت اختیار نہیں کرونگا جس سے کسی کو غلط سزا ملے، تو پھر حکومت نے اپنے لئے یہ گنجائش بھی رکھی ہے کہ ایک عدالت سے پھر اس کو دوسری عدالت میں لے جائے۔ اگر بات فوری انصاف مہیّا کرنے کی تھی تو ایک خصوصی عدالت اس کے لئے کافی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کو اپنے کسی ایسے قائم شدہ خصوصی عدالت پر بھی اعتماد نہیں ہے اور اس سے خدشات کی اور تقویت ہوتی ہے کہ حکومت جو کچھ کرانا چاہے گی، اس کے لئے اس نے کئی راستے کھلے رکھے ہونگے۔ کچھ اصل چیزیں جو اس بل میں رہ گئی ہیں جو توجہ کی مستحق تھیں، اس سے بالکل صرفِ نظر کیا گیا ہے اور دو چار چیزیں سرسری میری نگاہ میں آگئی ہیں کیونکہ ایوان نے یہ موقع نہیں دیا اور اسے فوری طور پر زیر بحث لانے کی رائے دی۔ اصل مسئلہ اس ملک میں خواتین کی بے حُرمتی کا ہے اور ان پر دست اندازی، خواتین کا اغواء اور ایسی کئی چیزیں ہیں۔ اس بل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے خواتین کی بے حرمتی کا انسداد ہوتا ہو۔ پچھلے دنوں اس سلسلے میں قومی اسمبلی کی خواتین نے واک آؤٹ بھی کیا تھا کہ بہت ظالمانہ اور شرمناک حرکتیں کی گئیں۔ برسرِعام بعض خواتین کے تقدس کو پامال کیا گیا، ان کو ننگا کیا گیا۔ گاؤں کے گاؤں نے پنجاب میں اور دوسری جگہ نظارے دیکھے اور اس کیلئے ہمارے پاس فوری انصاف مہیّا کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، تو اس بل میں کوئی ایسی دفعہ نہیں ہے جس سے خواتین کی بے حُرمتی کا انسداد بھی کرلیا جاتا۔ یہ ایک سیریس مسئلہ ہے، سب سے بڑا مسئلہ جو بم بلاسٹنگ اور دھماکوں کا ہے۔ آپ ہمیں بتادیں اس بل میں کونسی ایسی دفعہ ہے یا کونسی ایسی چیز ہے جس سے بموں کے دھماکے کا انسداد کیا گیا ہو اور اس کے لئے قطعی راستہ کھولا گیا ہو۔ ان چیزوں کے بارے میں تو ہم خصوصی عدالتیں قائم نہیں کرسکینگے لیکن عام شہریوں کے جو مسائل ہیں اس کے لئے ہم نے کئی دفعات رکھے ہیں۔ اصل تخریب کاری کا جو سلسلہ پورے ملک میں ہے، اس کے بارے میں یہ بل بالکل خاموش ہے۔

بدقسمتی سے تیسرا مسئلہ اس ملک کے بعض علاقوں میں جو انتہائی اذیّت کا باعث ہے کہ ایک پُرامن شہری کو دن دھاڑے اغواء کرلیا جاتا ہے اور وہ شہری ایک علاقے سے دوسرے علاقے لے جایا جاتا ہے اس نے کوئی جُرم نہیں کیا ہوتا، نہ قتل کیا ہوتا ہے۔ اسکو سرِعام لوگ آکر کار میں اٹھا کرلے جاتے ہیں اور بعض علاقوں میں رکھ لیتے ہیں۔ پھر وہاں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دس لاکھ، بارہ لاکھ، بیس لاکھ روپے آپ دیدینگے تب ہم اس آدمی کو چھوڑ دینگے۔ اس حد تک ظلم ہے کہ اس آدمی کو وہاں رکھ کر جو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے، اس کا بل بھی ساتھ ساتھ بنایا جاتا ہے کہ جب اس کو دوبارہ بلایا جائیگا تو اس کا بل لیا جائے گا۔ ہمارے ایک دوست کو اغواء کیا گیا، اُس کے لئے ہم نے بڑی جدوجہد کی۔ آخر جب اس کو لانے کیلئے معاہدہ ہوگیا تو انہوں نے اخبار کا بل بھی پیش کردیا کہ یہ ہر روز اخبار مانگتا تھا، اتنا اس پر خرچ آیا ہے۔ اسس

معاملے کو بڑا حساس مسئلہ سمجھنا چاہیئے تھا اور جو بدبخت ایسے تخریبکار ہیں جو معزز اور غیور پٹھانوں اور قبائلی انسانوں کی بدنامی کا باعث بن گئے ہیں یا سندھ کے بعض علاقوں میں وہ جنگلات میں لے جاتے ہیں آدمی کو اغواء کر کے ۲۰،۲۰، ۳۰ اور ۵۰،۵۰ لاکھ روپے پر سودے ہوتے ہیں، کراچی میں ابھی کتنے سیٹھ اغواء ہوئے، ان کو کونسی دفعہ کے ماتحت آپ نے اس بل میں رکھا ہے۔ یہی صورت حال آئے دن گاڑیوں کے اغواء کا ہے۔ گاڑی اغواء کرلی جاتی ہے پھر آدمی خود وہاں جاکر اپنی گاڑی خریدتا ہے، بہرحال اصل مسئلہ جو ان تمام مصیبتوں کا حل ہے، وہ تو ہم باربار کہتے ہیں آپ کہینگے کہ آپ باربار یہ بات دوہراتے ہیں۔ سارا مسئلہ ظلم و بربریت فساد اور تخریب کاری کا اسلامی قوانین کے نفاذ سے حل ہوسکتا تھا۔

مولانا سمیع الحق اصل نسخے کی طرف تو ہم آتے نہیں ہیں، باہر سے مرہم پٹی کرتے رہتے ہیں، اندر لاوہ پکتا رہتا ہے اور یہ لاوہ اسطرح پھوٹتا رہے گا۔ ان چھوٹی چھوٹی مرہم پٹیوں سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ آپ نے حدود آرڈیننس جاری کردیا تھا لیکن اگر حدود آرڈیننس عملاً نافذ کردیا جاتا تو اس کے تحت تخریب کاری نہیں ہوسکتی، سرقہ ڈاکہ اور سڑکوں وغیرہ کو روکنا، ان سب کی واضح طور پر قرآن شریف میں سزائیں مقرر ہیں۔ آپ نے حدود آرڈیننس کی شکل میں اس کو نافذ کیا لیکن عملاً اس کو نافذ نہیں ہونے دیا۔ اس طرح معاملہ جوں کا توں رہا، کسی کو سزا نہیں مل سکی، بات ساری عمل کی ہے، نظام کی تبدیلی کی ہے۔ اگر نیچے نظام وہی ہے تو بے شک آپ ہزاروں بل پاس کریں، ان کے سامنے رکھیں، ہزاروں عدالتیں بنائیں مگر قواعد و ضوابط وہی رہینگے، وہی قانونِ شہادت رہیگا یعنی ساری جوں کی توں ہی رہیگی ـــــ شاید اس طرح حکومت کچھ سیاسی مقاصد تو حاصل کرسکے لیکن جو اصل بیماری ہے یا خرابی ہے، اس کا استحصال ہم نہیں کرسکینگے۔ اس لئے میں مودبانہ گزارش کرونگا کہ ان خامیوں کی طرف توجہ کی جائے اور اس بل میں جو خامیاں ہیں جو واقعی آپ کو (وزیر قانون صاحب) محسوس ہوتی ہیں، ان کو دور کیا جائے اور جو گزارشات میں نے پیش کی ہیں، ان کو اس بل میں شامل کیا جائے۔

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ'
EAGLE
EAGLE
IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

کنول لنن، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰۰ لان
۲- ڈائمنڈ ٹیکسر
صنم ڈیلکس پاپلین
بول کارڈ
سوٹنگ
دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
حُسین
کے
پارچہ جات
حُسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں'
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی'
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حُسین کے پارچہ جات'
شہر کی ہر بڑی دکان پر'
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سُہراب

مولانا زاہد الراشدی، ڈپٹی سیکرٹری جنرل جمعیۃ علماء اسلام

جمعیۃ علماء اسلام کے وفد کے افغانستان کے محاذ جنگ کے بارہ میں مشاہداتی تاثرات

جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے ایک وفد نے مارچ ۸۸ء کے تیسرے ہفتہ کے دوران افغانستان میں خوست کے محاذ جنگ کا دورہ کیا۔ وفد کی قیادت جمعیۃ علماء اسلام پاکستان کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل مولانا زاہد الراشدی نے کی جب کہ باقی ارکان میں صوبہ سرحد کے سیکرٹری جنرل مولانا حمید اللہ جان۔ صوبائی سالار اعلیٰ قاری حضرت گل شاکر گوجرانوالہ۔ ڈویژن کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام محمد۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام کے مدیر سید احمد حسین زید۔ گوجرانوالہ جمعیۃ کے امیر مولانا عبدالرؤف فاروقی۔ نارووال ضلع سیالکوٹ کی جامع مسجد حنفیہ قاسمیہ کے خطیب مولانا محمد یحییٰ محسن، مجلس تحفظ ختم نبوت گوجرانوالہ کے راہنما چوہدری غلام نبی اور گلیانہ ضلع گجرات کے ایک نوجوان چوہدری عبدالرشید شامل تھے۔

یہ دورہ حرکۃ المجاہدین کے امیر مولانا فضل الرحمٰن خلیل کی دعوت پر کیا گیا۔ اور وہ بھی دورہ میں ساتھ رہے۔ وفد نے ۲۱ مارچ کا دن میران شاہ میں گذارا اور حرکۃ المجاہدین کے مرکز کا معائنہ کرنے کے علاوہ حزب اسلامی کے کمانڈر مولانا جلال الدین حقانی کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ منبع العلوم کو دیکھا اور حزب اسلامی کے دفاتر کا دورہ کیا۔ وفد کا پروگرام مولانا جلال الدین حقانی سے ملاقات کا بھی تھا۔ لیکن مولانا حقانی باڑی کے محاذ پر گئے ہوئے تھے جہاں دو روز قبل مجاہدین نے حملہ کر کے دشمن کے تین مورچے فتح کئے تھے اور نصف صد کے لگ بھگ سپاہیوں کو گرفتار کیا تھا۔

جمعیۃ کا وفد ۲۲ مارچ کو میران شاہ سے ژاور پہنچا اور حزب اسلامی کے مرکز کا معائنہ کرنے کے علاوہ مرکز کے کمانڈر ضابطہ اکبر شاہ سے جہاد افغانستان کی تازہ ترین صورت حال پر بات چیت کی جناب اکبر شاہ پہلے افغانستان کی سرکاری فوج میں کیپٹن تھے لیکن جہاد افغانستان کے آغاز میں ہی مجاہدین کے ساتھ آملے اور گذشتہ آٹھ برس سے ان کے ساتھ مسلسل خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

وفد کے ارکان نے ژاور سے راغبیلی تک سفر پیدل کیا اور خوست شہر کے بالکل متصل پہاڑ کی چوٹی پر مجاہدین کے مورچے اور اس کے قریب مرکز میں دو دن بسر کئے۔ اس دوران راغبیلی کے مرکز میں مجاہدین کی تربیتی مشقیں دیکھیں اور علاقہ میں روسی طیاروں کی مسلسل بمباری سے پیدا ہونے والی ویرانی اور تباہی کا مشاہدہ کیا۔ ۲۴ مارچ کو وفد بنوں پہنچا اور ایک ہنگامی پریس کانفرنس میں دورہ کے تاثرات بیان کر کے لاہور واپس روانہ ہو گیا۔

وفد کے سربراہ مولانا زاہد الراشدی نے دورہ کا مقصد جنیوا مذاکرات کے نتیجہ میں ہونے والے مبینہ سمجھوتہ کے پس منظر میں محاذ جنگ پر پر سرپیکار مجاہدین کے تاثرات و احساسات معلوم کرنا تھا اور ہم نے یہ مشاہدہ کیا ہے کہ مجاہدین پر ان مذاکرات اور معاہدہ کا کوئی اثر نہیں ہے ۔ اور وہ اس سے بالکل بے نیاز ہو کر مکمل فتح تک جنگ جاری رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں ۔ مجاہدین کے نزدیک مکمل فتح کا مطلب صرف روسی افواج کی واپسی نہیں بلکہ کابل میں ایک مکمل اسلامی حکومت کا قیام ہے جس کے بغیر مجاہدین ہتھیار رکھنے کے لئے کسی صورت میں تیار نہیں۔ ہم جب ژاور کے مرکز میں پہنچے تو وہاں مہمان خانے میں ایک کیلنڈر لٹکا ہوا تھا جس پر حزب اسلامی افغانستان کے امیر مولوی محمد یونس خالص کا یہ مقولہ درج ہے اور یہ مقولہ مجاہدین کے موقف اور عزم کا صحیح آئینہ دار ہے ۔ مقولہ فارسی میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"ایک مکمل اسلامی حکومت کے قیام کے بغیر ہتھیار ڈالنا خودکشی کے مترادف ہوگا"

جنیوا مذاکرات کے پس منظر میں ایک اہم سوال لوگوں کے ذہنوں میں ابھرتا ہے وہ یہ کہ اگر سمجھوتے پر دستخط ہو گئے اور امریکہ و دیگر حمایتی ممالک نے مجاہدین کی امداد بند کر دی تو پھر جہاد افغانستان کے مستقبل کیا ہوگا اور مجاہدین اس جنگ کو فوجی امداد کے بغیر کیسے جاری رکھ سکیں گے ۔

یہ سوال ہمارے ذہنوں میں بھی تھا اور ہم نے یہ سوال ضابطہ اکبر شاہ اور دیگر مجاہدین سے کیا اس کے جواب میں انہوں نے جذبات کا اظہار کیا اسے تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

★:- ہم نے جہاد کا آغاز امریکہ یا کسی اور طاقت کے کہنے پر اور ان کی امداد کے سہارے نہیں کیا تھا ۔ بلکہ اپنی پرانی رائفلوں اور گھروں میں موجود ہتھیاروں کے ساتھ جنگ شروع کی تھی اور جب بیرونی طاقتوں نے دیکھا کہ ہم نے واقعی مزاحمت کر کے اپنا وجود تسلیم کرا لیا ہے تو اس وقت یہ طاقتیں ہماری طرف متوجہ ہوئیں اگر ہم اس دور میں مسلح مزاحمت کر کے روسی جارحیت کے مقابلہ میں اپنا وجود دنیا سے منوا سکتے ہیں تو آج بھی بیرونی امداد کے بغیر جنگ جاری رکھنا ہمارے لئے مشکل نہیں ہے ۔

★:- آج ہم تربیت، جنگی تجربہ اور اسلحہ کے ذخیرہ کے لحاظ سے پہلے سے کہیں بہتر پوزیشن میں ہیں ۔ ہمارے پاس اسلحہ کے جو موجودہ ذخائر ہیں ان کے ذریعہ مزید ایک رائفل ملے بغیر بھی ہم موجودہ جنگ کو مزید پانچ سال تک جاری رکھ سکتے ہیں اور پھر ہمارے پاس اسلحہ کی جو مقدار ہے اس میں ایک اچھا خاصا حصہ اس اسلحہ کا ہے جو ہم چھاپہ مار حملوں کے ساتھ دشمن سے چھینتے ہیں ۔ یہ خدائی امداد ہے اسے تو کوئی عالمی طاقت بند نہیں کر سکتی ۔

★:- اور اصل بات یہ ہے کہ ہماری یہ جنگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ہے اور جہاد میں انحصار اسباب اور ہتھیاروں پر نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور نصرت پر ہوتا ہے ۔ اگر ہم ہتھیاروں کی طرف دیکھتے تو جہاد کا آغاز ہی نہ کرتے ۔ ہم نے اپنا شرعی فریضہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی امداد کے سہارے پر جہاد کا آغاز کیا اور اللہ پاک نے مدد فرمائی ۔ وہ اللہ جنیوا سمجھوتے کے بعد بھی موجود رہے گا ۔ اور ہماری اس مدد پر قادر ہو گا اس لئے ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ بڑی طاقتوں کی پرواہ کئے بغیر مکمل فتح تک ہماری جنگ جاری

رہے گی اور کابل پر اسلامی حکومت کا پرچم لہرائے بغیر ہم جنگ بند نہیں کریں گے۔

مولانا زاہد الراشدی نے کہا کہ افغان مجاہدین کی طرف سے ان جذبات اور عزائم کے اظہار کے بعد ہمیں اس بات پر پوری طرح شرح صدر حاصل ہو گیا ہے کہ بڑی طاقتوں کی سازباز اور جنیوا مذاکرات کے نتیجہ میں ہونے والا کوئی بھی سمجھوتہ افغان مجاہدین کی جدوجہد پر اثر انداز نہیں ہو گا اور بالآخر کابل پر افغان مجاہدین کی اسلامی حکومت قائم ہو کر رہے گی۔

انہوں نے کہا کہ پاکستان میں بعض سیاسی عناصر افغانستان کی جنگ کو امریکہ اور روس کی جنگ قرار دے کر جہاد کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے مسلسل پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ لیکن افغان مجاہدین نے جنیوا مذاکرات کے حوالے سے امریکہ اور روس دونوں کے موقف کو مسترد کر کے عملاً یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کی جنگ امریکہ کی جنگ نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے وطن کی مکمل آزادی اور ایک نظریاتی اسلامی حکومت کے قیام کے لئے لڑ رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ہم نے پاک افغان سرحد سے خوست کے قریب پہاڑی مورچوں تک جو سفر کیا ہے اس میں دو باتیں بطور خاص نوٹ کی ہیں۔ ایک یہ کہ اس علاقہ میں سرکاری فوجوں یا عملہ کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔ بلکہ خوست شہر اور چھاؤنی کے چاروں طرف پہاڑیوں اور راستوں پر مجاہدین کا مکمل قبضہ اس حقیقت کی شہادت دے رہا ہے کہ چند شہروں اور چھاؤنیوں کے علاوہ پورا افغانستان مجاہدین کے کنٹرول میں ہے۔ اور دوسری بات ہمارے مشاہدہ میں یہ آئی ہے کہ میدانی لڑائی میں مجاہدین کو سرکاری فوجوں پر بالادستی حاصل ہے۔ خوست چھاؤنی مجاہدین کے محاصرہ میں ہے۔ کوئی زمینی راستہ سرکاری فوجوں کے پاس نہیں ہے۔ طیاروں کے ذریعہ راشن وغیرہ کی سپلائی ہوتی ہے۔ طیارے بھی رات کی تاریکی میں تاریک رن وے پر اترتے ہیں۔ یہ رن وے ہمارے مورچہ سے صاف نظر آ رہا تھا۔ اور نصف شب کے قریب مورچہ پر پہرہ دینے والے نوجوانوں نے تاریکی میں اترنے اور سامان اتار کر پرواز کرنے والے طیارہ کو بھی دیکھا۔ پہاڑ کی چوٹی سے ایک طرف دور فاصلے پر میران شاہ کی روشنیاں جگمگاتی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور دوسری طرف اسی پہاڑی کے دامن میں آباد خوست شہر مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔

جس مورچہ میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہ پہاڑ کی چٹانوں کو تراش کر اس کے اندر غار میں بنایا گیا ہے وہاں سے مجاہدین نے ہماری موجودگی میں مارٹر توپ سے کئی گولے خوست چھاؤنی پر پھینکے۔ اس کے بعد دو اور مورچوں سے بھی مجاہدین نے چھاؤنی پر گولے برسائے۔ ہمیں یقین تھا کہ اس کے جواب میں ہم پر شدید گولہ باری ہو گی۔ لیکن ہمارے میزبانوں نے کہا کہ آرام سے عشاء کی نماز پڑھ کر سو جائیں، کچھ بھی نہیں ہو گا اور واقعۃً ہم ساری رات آرام کی نیند سوتے رہے اور گولہ باری کا جواب ایک گولی کی صورت میں بھی ہماری طرف نہیں آیا۔

روسی افواج اور کابل انتظامیہ کی سرکاری فوجوں کے پاس افغان مجاہدین کے خلاف ایک ہی مؤثر اور کارگر ہتھیار ہے اور وہ ہے فضائیہ جس کا متبادل مجاہدین کے پاس نہیں ہے۔ سرکاری طیارے مجاہدین پر بمباری کرتے ہیں بلکہ ان کی مسلسل اور وحشیانہ

بمباری نے پورے افغانستان کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہے۔ ہمیں راستہ میں متعدد بستیاں ملیں لیکن ایک بھی آباد نہیں تھی اور بیشتر مکانات بمباری کی وجہ سے زمین بوس تھے۔ روسی طیاروں کی اس وحشیانہ بمباری نے نہ صرف آبادیوں کو بلکہ جنگلات کو بھی جھلسا دیا ہے۔ اور پہاڑوں کی مضبوط چٹانوں کو پرزے پرزے کر دیا ہے۔ ہم جس روز زرا غبیلی کے مرکز میں مجاہدین کی تربیتی مشقیں دیکھ رہے تھے اس وقت اچانک ۸ طیارے فضا میں نمودار ہوئے۔ مجاہدین کی بنائی ہوئی تدبیر کے مطابق ہم زمین پر اوندھے منہ لیٹ گئے۔ چاروں طرف سے طیارہ شکن توپیں گرجنے لگیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ طیارے تزاور کے قریب بلندی سے بم برسا کر چلے گئے۔ اس بمباری میں ایک مجاہد شہید اور چھ زخمی ہوئے۔

کابل انتظامیہ کی یہی فضائی قوت ہے جس کی وجہ سے مجاہدین کے لئے شہروں اور میدانی علاقوں میں قبضہ کو برقرار رکھنا مشکل ہے ورنہ وہ کئی بار ان علاقوں پر قبضہ کر چکے ہیں۔ اور میدانی جنگ میں سرکاری فوجوں کو شکست دے چکے ہیں اگر مجاہدین کے پاس فضائیہ کا کوئی متبادل انتظام ہوتا تو یہ جنگ آج سے کئی سال پہلے ان کی مکمل فتح کی صورت میں انجام پذیر ہو چکی ہوتی۔ مجاہدین کے پاس طیارہ شکن توپیں اور سٹنگر میزائل موجود ہیں اور وہ انہیں کامیابی کے ساتھ استعمال بھی کرتے ہیں جس سے ان کے نقصانات کا تناسب خاصا کم ہو گیا ہے اور روسی طیارے اب نزدیک آنے کی بجائے خاصی بلندی پہ پرواز کرتے اور بم پھینکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود سرکاری فوجوں کا یہی ایک ہتھیار ہے جو مجاہدین کے خلاف اب بھی مؤثر اور کارگر ہے۔

مولانا زاہد راشدی نے کہا کہ پاکستان کے بعض سیاستدان کابل انتظامیہ کی دعوت پر کابل گئے اور واپس آ کر انہوں نے یہ کہا ہے۔ کہ انہوں نے افغان مجاہدین کا کوئی وجود نہیں دیکھا۔ اور نہ ہی گولی کی کوئی آواز سنی۔ میں انہیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ ہوائی جہازوں پر سفر کرنے اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں ٹھہرنے کی بجائے میرے ساتھ چلیں۔ میں انہیں خوست، ارگون اور جاجی کے محاذوں پر لے جاتا ہوں اور پیدل سفر میں اس جنگ کا مشاہدہ کراتا ہوں۔ جو آج بھی جاری ہے۔ اور اسی جنگ نے روس کو مجبور کیا ہے کہ وہ ہر حالت میں اپنی فوجیں واپس بلانے کا بار بار اعلان کر رہا ہے۔

جمعیۃ کے وفد کے قائد نے پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام سے اپیل کی ہے کہ بیرونی لابیوں کے یک طرفہ پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہوں اور مکمل یکجہتی کے ساتھ افغان مجاہدین کی بھرپور حمایت کر کے جہاد کے شرعی فریضہ کے احیاء اور افغانستان میں ایک مکمل اسلامی حکومت کی تشکیل کے اس تاریخی عمل میں مؤثر اور یادگار کردار ادا کریں۔

یادِ رفتگان

قسط ۱

حافظ محمد ابراہیم فانی
مدرس دار العلوم حقانیہ ۔ اکوڑہ خٹک

سیرِ بوستاں

شیخ القرآن والحدیث مولانا عبد الہادی صاحب شاہ منصوری قدس سرہٗ

اتفاقِ بلبل و گل بارہا خواہد شدن
درمیانِ ما شما و سیرِ بوستاں یا نصیب

آج رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ کی ۲۴ ۔ اور ستمبر ۱۹۷۷ء کی ۸ تاریخ ہے ۔ شاہ منصور گاؤں کی وسطی جامع مسجد میں معمول سے زیادہ علماء و فضلاء اور طلباء و مشائخ کا بے پناہ اژدحام اور ہجوم ہے ۔ ہر ایک چہرے پر خوشی اور غم کے ملے جلے آثار نمایاں ہیں ۔ خوشی اس بات کی کہ آج ختم دورہ تفسیر قرآن ہے ۔ اور غم اس کا کہ ایک مبارک محفل اور پرکیف بزم سے جدائی کا وقت آیا ہے ۔ یہی سلسلہ تو سالہا سال سے جاری تھا لیکن اب کے دفعہ کچھ اور ہی انداز تھا ۔ وہ یوں کہ آج سے دو دن قبل حضرت شیخ القرآن صاحب پر بیماری کا شدید حملہ ہوا تھا اور انہوں نے دو دن سبق بھی نہیں پڑھایا تھا ۔ آج بھی ہر ایک طالب علم چشم براہ تھا اور ساتھ ساتھ پریشان بھی ۔ کہ آیا حضرت الشیخ اس اختتامی تقریب میں شرکت کر سکیں گے یا نہیں ۔ اور ظاہر ہے کہ آپ کی غیر موجودگی کی صورت میں محفل کا رنگ پھیکا ہوگا ۔ ابھی سبق شروع ہونے کو چار پانچ منٹ باقی تھے کہ حضرت شیخ القرآن صاحب انتہائی ضعف و نقاہت اور تکلیف کی حالت میں مسجد کے دروازے تک لائے گئے ۔ پھر دو افراد کے سہارے آپ اپنی نشست تک تشریف لائے ۔ اور جلوہ افروز ہوئے ۔ ان کے صاحبزادے مولانا نور الہادی صاحب نے پارہ عم کی تفسیر نصف آخر سے شروع کی ۔ پھر جب آپ نے سورہ لہب تک تفسیر ختم کی تو مائیک حضرت الشیخ کے سامنے رکھ دیا ۔ آپ نے مخصوص انداز میں پہلے درود شریف پڑھا ۔ پھر سورۃ اخلاص کی تفسیر شروع کی ۔ مسجد (جو کہ اندر اور باہر کھچا کھچ بھری ہوئی تھی) سے آہستہ آہستہ آہوں اور سسکیوں کی آوازیں شروع ہوئیں ۔ ہر ایک آنکھ پرنم اور ہر چشم اشکبار تھی ۔ خود بندہ کے دل کا یہ عالم تھا کہ بقول حافظ شیرازی ؎

دل می رود ز دستم صاحب دلاں خدا را
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا

ایسی ہی کیفیت سے وہاں پر موجود ہر شخص دوچار تھا۔ آپ نے اس شدید بیماری کے باوجود ان تینوں سورتوں کی تفسیر بیان فرمائی۔ لیکن ہر ایک دل، ہر آنکھ اور ہر نفس ایک عجیب درد و کرب میں مبتلا تھا۔ ختم تفسیر قرآن کے بعد آپ نے اختتامی کلمات اور نصائح سے طلبا کو نوازنا شروع کیا۔ گلوگیر آواز میں ہجر و فراق پر مشتمل اشعار سنائے۔ کئی دفعہ آپ کی سانس رک جاتی چنانچہ اس وقت جو اشعار سنائے وہ بندہ کے نوک زباں ہیں۔ اور جب بھی یاد آجاتے ہیں تو آنکھوں کے سامنے وہی نقشہ رقصاں نظر آتا ہے اور دل کی دنیا میں پھر سے ایک وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آہ کس درد بھرے الفاظ اور انداز میں یہ اشعار سنائے ؎

اتفاق بلبل و گل بارہا خواہد شدن

درمیان ما شما و سیر بوستان یا نصیب

چونکہ گل گشت و گلستان در گذشت

نشنوی زیں پس ز بلبل سر گذشت

چونکہ گل گشت و گلستان شد خراب

بوئے گل را از کے جوئیم از گلاب

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر

ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

فرمایا۔ کہ پھر کیا معلوم۔ یہ محفل دوبارہ سج جائے گی یا نہیں۔ تشنگان علوم نبوی کی یہ کہکشاں پھر فروزاں و منور نشاں ہوگی یا نہیں۔ فرمایا۔ درمیان ما شما و سیر بوستاں یا نصیب۔ پھر فرمایا۔ درمیان ما شما و سیر بوستاں۔ تو کافی دیر تک خاموش رہے۔ حافظ فضل دیان صاحب نے شعر پورا کیا۔ اور کہا یا نصیب۔

بندہ کے ساتھ قریب ہی افغانستان کا ایک سفید ریش بیٹھا تھا اس کی حالت انتہائی خراب اور دگرگوں تھی۔ زور زور سے رو رہا تھا اور پھر آخر میں بے ہوش ہوگیا۔ وہ تقریباً تیس سال سے مسلسل اس دورہ تفسیر میں شریک ہوتا رہا۔

ویسے تو راقم سطور کئی سال سے اس دورہ تفسیر کی اختتامی تقریب میں شرکت کرتا رہا لیکن اس سال ۱۹۷۷ء کو باقاعدہ طور پر تمام دورۂ تفسیر میں شرکت کی۔ یہ دورۂ تفسیر کی برکت ہے کہ شاہ منصور جیسا مختصر قصبہ رمضان شریف میں ایک پر کیف و پر اثر، روح پرور سماں پیش کرتا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ چھوٹے اور بڑے مرد اور عورتیں تمام قرآن پاک کے ترجمے و تفسیر سے اس قدر لذت آشنا اور مانوس ہو چکے ہیں کہ اس قصبہ میں کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جن کو قرآن پاک با ترجمہ پڑھنا نہ آتا ہو۔ ایک دفعہ بندہ درس کے اختتام پر جب مسجد (مسجد قاسم خیل) میں اس

وقت راقم سطور مقیم تھا) آیا۔ تو وہاں ایک بوڑھے زمیندار نے مجھے کہا۔ کہ میں آپ کے پانچ منٹ ضائع کرنا چاہتا ہوں میں نے کہا۔ فرمائیے! اس نے کہا کہ میرے بیٹے کے نام آپ ایک تعزیتی خط لکھیں۔

میں نے عرض کیا۔ بسر و چشم۔ میں نے قلم اور کاغذ لیا اور اس سے کہا کہ آپ بتاتے جائیں۔ میں لکھتا جاؤں گا۔ چنانچہ اس نے قرآنی آیات سے مرقع اور مرصّع ایسا تعزیتی مضمون سنایا کہ میری حیرت اور استعجاب کی انتہا نہ رہی اور اس سوچ میں غلطاں رہا کہ ایک دیہاتی ان پڑھ شخص اس قسم کے تعزیتی کلمات سنا سکتا ہے۔

یہ حضرت الشیخ کی برکت تھی کہ رمضان المبارک میں شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن کا پورا لطف شاہ منصور میں محسوس ہوتا تھا۔ اور آج بھی اس قریہ کی فضا میں ان انفاسِ قدسیہ کی خوشبو اور مہک رچی بسی ہے بقول لسان الغیب[۱] حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ ؎

نامِ من رفت است روزے برلبِ جاناں بسہو
اہلِ دل را بوئے جاں می آید از نامم ہنوز

---

[۱] حافظ شیرازی رحمۃ اللہ عموماً لسان الغیب کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اس لقب کے بارے میں مولانا عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو لسان الغیب اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کے کلام میں تکلف و تصنع بالکل نہیں اور یہ آمد سوائے تائید غیبی اور القا کے ممکن نہیں۔ جب کہ مولانا آزاد بلگرامی کا خیال ہے کہ حافظ کو لسان الغیب کا لقب اس واسطے دیا گیا ہے کہ اکثر خوش اعتقاد لوگ اس سے فالیں نکالتے ہیں۔ اور وہ اکثر صحیح نکلتی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں بہت دلچسپ واقعات مشہور ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی مہر گم ہوگئی چونکہ وہ بہت قیمتی تھی اور ہیرے جواہرات اس میں لگے ہوئے تھے۔ علاوہ ازیں اس کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اگر یہ کسی شخص کے ہاتھ لگی اور اس کو غلط طریقے سے استعمال کی گئی تو حکومت کو بہت بڑا نقصان ہوگا۔ چونکہ عالمگیر کو خواجہ صاحب سے کمال عقیدت تھی۔ اس سے فال نکالنے اور دیکھنے کی غرض سے دیوان حافظ اٹھایا اور کنیز کو پکارا کہ چراغ لے کر آؤ۔ وہ چراغ لے کر آئی۔ انہوں نے دیوانِ حافظ کھول کر دیکھا تو یہ شعر نکلا ؎

بفروغِ چہرہ زلفت ہمہ شب زند رہ دل　　　چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

انہوں نے کنیز کی تلاشی لی اور وہ اس کی کمر سے برآمد ہوئی۔

ہمایوں بادشاہ بھی دیوانِ حافظ سے فال نکال لیا کرتا تھا۔ ایران سے فوج لے کر جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو دیوان سے فال نکالی۔ یہ شعر نکلا ؎ (باقی اگلے صفحہ پر)

جن حضرات نے یہاں پر رمضان شریف کے سرور آگیں لمحات کا مشاہدہ کیا ہے ان کو تو بخوبی علم ہے لیکن جنہوں نے اس پر کیف منظر کو نہیں دیکھا اور اس کی روحانی کشش سے لذت آشنا نہ ہوئے ہوں ۔ ان کے لئے مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے یہ الفاظ شاید کچھ سامانِ تسکین کر سکیں ۔ انہوں نے اپنے اس روح پرور عبارت میں دینی و روحانی مرکزوں میں رمضان کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے جس کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو حضرت الشیخ کے ہاں رمضان کا کچھ یوں ہی عالم تھا ۔ لکھتے ہیں :-

" رمضان المبارک کے آتے ہی دینی و روحانی مرکزوں اور خانقاہوں کی فضا بدل جاتی تھی ۔ ان لوگوں کے علاوہ جو یہاں پر مستقل قیام پذیر ہوتے تھے ۔ شیخ و مرشد سے بیعت و عقیدت کا تعلق رکھنے والے دور دور سے اس طرح کھنچ کھنچ کر آجاتے تھے جیسے آہن پارے مقناطیس کی طرف ۔ اور پروانے شمع کی طرف آجاتے تھے یہ روحانی مرکز تلاوت اور نوافل و عبادات سے اس طرح معمور ہو جاتے کہ گویا دن میں اس کے سوا کوئی کام اور رمضان کے بعد کوئی رمضان آنے والا نہیں ۔ ہر شخص دوسرے شخص سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا ۔ اور رمضان کے ہر دن کو صرف رمضان ہی کا نہیں زندگی کا آخری دن سمجھتا ۔ اور خواجہ میر درد کے اس شعر کی سچی تصویر اور عملی تفسیر بن جاتا ؎

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ

جس قدر بس چل سکے ساغر چلے

جو خدا کا بندہ تھوڑی دیر کے لئے اس ماحول میں آجاتا تو وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ۔ افسردہ طبیعتوں میں نئی گرمی بلکہ سرگرمی پست ہمتوں میں عالی ہمتی اور اولوالعزمی بلکہ مردہ دلوں میں زندہ دلی اور بلند پروازی پیدا ہو جاتی : بجلی کا ایک کرنٹ تھا جو کہ دلوں سے دلوں کی طرف پہنچ جاتا اور مردہ دلوں میں ایک تجلی کر دیتا ۔ جو شخص اس ملکوتی فضا کو دیکھتا ۔ اس کا قلب شہادت دیتا ۔ کہ جب تک خدا طلبی کا یہ ہنگامہ برپا ہے ۔ اور دین و روحانیت کی شمع کے پروانوں کا ہجوم ہے اور ہر قسم کے دنیوی اغراض اور نفس پرستی و دنیا طلبی سے بالاتر ہو کر خدا کو راضی کرنے اور اپنی آخرت کو بنانے کے لئے اتنے آدمی کسی جگہ جمع ہیں دنیا تباہ نہ ہوگی ۔ اور زندگی کی اس بساط کو تہہ کرنے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا ۔

وہ بے اختیار خواجہ حافظ کے الفاظ میں اس طرح گویا ہو جاتا تھا ؎

از صد سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد است   عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است [1]

بقیہ گذشتہ صفحہ ؎ عزیز مصر برغم برادران غیور   ز قعر چاہ بر آمد باوج ماہ رسید

(فانی) بالآخر کئی لڑائیوں کے بعد ہندوستان پر قابض ہوا ۔ اس سلسلے میں بندہ کے اپنے بھی کچھ تجربات ہیں

۱؎ سوانح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ؒ ص ۱۲۳

مولانا ندوی کے اس طویل اقتباسات سے مقصد رمضان شریف میں ان روحانی مراکز کی روح پرور فضاؤں کی دل آویزی کا نقشہ دکھانا تھا البتہ انہوں نے صرف خانقاہوں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن آپ کے یہ الفاظ شاہ منصور میں محفل تفسیر قرآن پر پوری طرح صادق آتے ہیں۔ جب پندرہ شعبان کو پوری روحانی آب و تاب کے ساتھ یہ بزم قدسی سج جاتی اور ۲۴ رمضان المبارک تک قائم رہتی۔

قبل اس کے کہ ہم اپنے اصل عنوان کی طرف رجوع کریں اور حضرت الشیخ کے حالات زندگی پر کچھ لکھیں ضروری ہے قصبہ شاہ منصور کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالیں کہ طلبہ علم دین و علماء اور مشائخ و صلحاء کا یہ مرکز کس سن میں آباد ہوا۔ اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ شاہ منصور کون تھا؟

شاہ منصور: ملک سلیمان شاہ اور سلطان شاہ جو کہ پٹھانوں کے مشہور قبیلہ یوسف زئی سے تعلق رکھتے تھے یہ دونوں بھائی ملک تاج الدین بن ملک رزڑ کے بیٹے اور نہ صرف قبیلہ یوسف زئی کے سردار اور ملک تھے بلکہ تمام اقوام خخی یا خشی (یوسف زئی۔ گگیانی۔ ترکلانی بشمول محمد زئی) کے سرداروں اور ملکوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ تواریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق یوسف زئی مقام گاڑہ اور نوشکی میں اور غوریا خیل خصوصاً خلیل ترنک منفر اور قرہ باغ میں آباد تھے کسی سبب سے ان دونوں قبیلوں میں آپس میں لڑائی ہوگئی۔ غوریا خیل نے سارے خشی کو شکست دی اور یہ ملک ان سے چھین لیا۔ چنانچہ کل خخی (خشی) اپنے قبائل کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے نشیب کی طرف چل کر کابل آگئے۔ اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ رفتہ رفتہ یوسف زئی کابل کے نواح میں بہت بڑے دبدبے اور شوکت کے مالک ہو گئے۔ اور کابل کے مضافات کے تمام حدود اپنے زیر تصرف لے آئے۔

قاضی عطاء اللہ صاحب اپنی مشہور تالیف "د پختنو تاریخ" میں لکھتے ہیں:۔

یوسف زئی اس ملک میں چار سو سال سے کچھ زیادہ مدت سے یہاں آباد ہیں یہ قوم گارہ اور نوشکی کے اصل باشندے ہیں۔ نوشکی سیستان کے علاقے میں دشت لوط کے کنارے واقع ہے۔ یہ قبیلہ درحقیقت پٹھانوں کی خشی قوم کی ایک شاخ ہے۔ جس کی اور شاخیں گگیانی۔ ترکلانی اور محمد زئی تھے۔ تقریباً ۸۰۰ھ کے اواخر اور ۹۰۰ھ کے آغاز میں یہ چاروں قبیلے دیگر اقوام کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد اس علاقے سے نکال دئے گئے۔ وہاں سے آکر یہ لوگ خراسان اور کابل کے گرد و نواح میں آباد ہوئے اور رفتہ رفتہ انہوں نے یہاں پر کافی اثر و رسوخ پیدا کیا۔

مرزا الغ بیگ: یہ مرزا ابو سعید کا بیٹا اور تیموری خاندان کے ساتھ اس کا تعلق تھا۔ بلکہ امیر تیمور کے پوتوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ تیمور تک اس کا شجرہ یوں ہے:۔

الغ بیگ مرزا۔ ابن ابو سعید مرزا۔ ابن سلطان محمد مرزا۔ ابن میران شاہ مرزا۔ ابن امیر تیمور

"تاریخ پشتون" کے مطابق جب سلطان ابو سعید مرزا ہرات میں شہید ہوا تو اس وقت اس کے گیارہ لڑکے تھے۔ سلطان احمد

مرزا۔ الغ بیگ مرزا۔ سلطان عمر مرزا۔ مرزا شاہ رخ، عمر شیخ مرزا۔ سلطان مراد مرزا۔ سلطان خلیل مرزا۔ اور سلطان مرزا۔ بقیہ تینوں کے نام درج نہیں) ان میں سے چار بادشاہ ہوئے۔ اور اپنے باپ کے عہد میں مختلف مملکتوں میں بادشاہت کرتے رہے۔ الغ بیگ مرزا کابل میں۔ سلطان احمد مرزا سمرقند میں۔ سلطان محمد مرزا حصار قندز اور بدخشاں میں۔ اور عمر شیخ مرزا اندجان اور فرغانہ میں۔

لیکن تاریخ پشتون کے اس اقتباس کے برعکس قاضی عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

کافی زمانے سے کابل پر تیموری خاندان کی حکومت تھی۔ لیکن جب مرزا ابو سعید کا انتقال ہوا تو کابل کی بادشاہت ان سے چلی گئی۔۔۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرزا الغ بیگ اپنے والد کے زمانہ میں کابل کے حکمران نہ تھے۔

پہلے عرض کیا گیا ہے کہ یوسف زئی قبیلے کے لوگ یہاں کابل میں آباد ہو گئے اور انہوں نے کافی اثر و رسوخ پیدا کیا تھا۔ اس لئے جب مرزا الغ بیگ کو کابل پر حکمرانی کا خیال آیا۔ تو انہوں نے قبیلہ یوسف زئی کے ساتھ مل کر کابل کی حکمرانی کا مہم سر کیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مرزا الغ بیگ چند مغلوں کے ساتھ ماوراء النہر سے انتہائی کم عمری میں شکستہ حال و پریشان خاطر یہاں آیا تھا۔ ملک سلیمان شاہ کے ساتھ اس کا تعلق پیدا ہوا۔ اور وہ اس کے ساتھ انتہائی محبت کرتا تھا اس کو بیٹوں کی طرح پالا اور اس کی تربیت کی۔

تواریخ حافظ رحمت خان کے مطابق اس پرورش اور تربیت سے سلیمان شاہ کی غرض یہ تھی کہ یہ شہزادہ ہے جب بڑا ہو جائے گا تو اس کو بادشاہ بنالوں گا۔ اس کی حکومت میری ہو جائے گی۔ اور اسی طرح خشی بالخصوص یوسف زئی صاحب جاہ ہو جائیں گے۔ ملک سلیمان شاہ نے شہزادہ کو پالا پوسا اور اس کی ملاحظہ، تربیت کر کے کمال تک پہنچایا بعد ازاں اسے کابل کا بادشاہ بنایا خطبہ اور سکہ اسی کے نام سے جاری ہو گئے۔ ممالک کو تصرف میں لے آیا۔ فوج بھی زیادہ ہو گئی اور مغل بھی اطراف و جوانب سے اکٹھے ہو گئے۔

یوسف زئی اور مرزا الغ بیگ کے درمیان اختلاف

تواریخ حافظ رحمت خانی میں لکھا ہے۔ کہ مرزا الغ بیگ جب مستقل بادشاہ بن گیا تو یوسف زئی کے بارہ میں اس کی نیت میں تبدیلی آئی۔ کیونکہ یوسف زئی ہر لحاظ سے غالب تھے۔ وہ مرزا الغ بیگ کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اپنی مرضی کے مالک اور سلیمان شاہ اور یوسف زئی جو کچھ کرنا چاہتے تھے وہی ہوتا تھا۔ انہی دنوں گگیانی قوم اور یوسف زئی کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے مرزا نے سوچا کہ کیوں نہ اختلافات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ پہلے ان دونوں قبیلوں پر علیحدہ علیحدہ چڑھائی کروں گا پھر ان کو زیر کر کے اپنی حکومت کو مستحکم بنالوں گا۔ (جاری)

o کھیلوں اور لہو و لعب میں استغراق اور ترک فرائض
o اسلام کا اخلاقی نظام
o نفاذ شریعت کے مساعی پر تاثرات
o دکتورہ کے امتحان میں اعلیٰ کامیابی

افکار و تاثرات

کھیلوں اور لہو و لعب میں استغراق اور ترک فرائض

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے جان و مال و وقت کو کسی مصرف میں لگانے کے لئے پیدا کیا ہے۔ ان تینوں کا استعمال فی سبیل اللہ ہو گا۔ قیامت کے دن بھی ان کے بارے میں سوال ہو گا۔ لیکن اگر آج مسلم معاشرے کا سروے کیا جائے تو آپ کو چند گنے چنے افراد ملیں گے جن کا مال، جان اور وقت صحیح خرچ ہو رہا ہے۔ حالاں کہ ہم ایسے دور سے گذر رہے ہیں کہ اگر ہم معاشرہ کا مطالعہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ ہمارا مال، جان اور وقت صرف اللہ کی راہ میں خرچ ہو کیونکہ جس مقصد کے لئے اللہ نے ہم کو پیدا کیا تھا آج امت کے اکثر افراد اس سے غافل ہیں اور خود کو جہنم کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ اور اکثریت عملی ارتداد اختیار کر چکی ہے۔ امت کے اندر سے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات مٹ رہے ہیں۔ نیک اعمال کی طرف آتے ہی نہیں۔ اور جو نیک اعمال کرتے ہیں ان اعمال پر کامیابی کا یقین نہیں۔ ان اعمال پر اللہ کے کئے ہوئے وعدوں کو سچ نہیں جانتے حالاں کہ فرمان باری تعالیٰ ہے ومن اصدق من اللہ قیلا۔ ایک انکار کی سیڑھی باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ اگرچہ عقیدۃً ارتداد نہیں لیکن عملاً ارتداد ہے۔ ایسے نازک وقت میں ہم ایک مباح عمل کو لے کر فرائض بھول گئے۔ حالاں کہ مباح عمل جو مفضی الی ترک الفرائض ہو وہ فقہی قاعدہ کی رو سے مباح نہیں رہتا۔ بلکہ حرام ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات جاننی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے کار نہیں چھوڑا۔

افحسبتم انما خلقنکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون ٥

ترجمہ: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے!

دوسری آیت کے اندر مقصد کا تعین ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ٥

ترجمہ: ہم نے انسانوں اور جنوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

انسان دنیا کے اندر سفر کر رہا ہے آخرت اس کی منزل ہے اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے حکمت بالغہ کے تحت کچھ اعمال دئے ہیں مثلاً فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مباح وغیرہ کرنے کے لئے کچھ اعمال ایسے ہیں جن سے بچنا ضروری ہے مثلاً

حرام اور مکروہ کے شیطان انسان کو حرام اور مکروہ کاموں میں لگاتا ہے ۔ لیکن انسان سمجھتا ہے کہ یہ حرام اور مکروہ ہے تو بچنے کی کوشش کرتا ہے ۔ لیکن شیطان کی خطرناک چال یہ ہے کہ مباح کے اندر لگا کر فرائض اور واجبات بالکل بھلا دیتا ہے ۔ کیونکہ انسان یہی سمجھتا ہے کہ مباح ہے آخر کوئی گناہ تو نہیں ۔ حالانکہ مباح میں لگا کر کتنے گناہوں میں مبتلا کرتا ہے اور اسے پتہ تک نہیں چلتا ۔ لیکن خدا کا شکر ہے امت کے اندر روحانی طبیب موجود ہیں ۔ جو امت کی راہ نمائی کرتے ہیں ۔ فقہاء کرام اور صوفیا عظام امت کے اندر دو اونچے طبقے ہیں ۔ جو وقتاً فوقتاً امت کو شیطانی چالوں سے آگاہ کرتے ہیں ۔

دراصل آج امت دین اسلام کی غرض و غایت اور مقصد کو بھول گئی ہے ۔ یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو کس لئے بھیجا ہے لوگ مادی ترقی کو کمال سمجھتے ہیں ۔ حالانکہ سب سے بڑا تنزل یہی ہے ۔ اسلام صرف اس کی ہدایت کرتا ہے ۔ کہ مادیات کا استعمال اور اشتغال صرف اس قدر رکھو جس کے بغیر کام نہ چلے ۔ باقی اوقات اپنے رب کی یاد میں گذارو یہی ترقی و کامیابی ہے ۔ تو جائز اور ضروری امور کے اندر اتنا لگو جتنی ضرورت ہے باقی وقت مقصد میں لگاؤ ۔

ایک بڑا خطرناک مرض کثرت مباحات ہے کیونکہ اس سے غفلت جیسی مہلک بیماری پیدا ہوتی ہے ۔ جو آخر کار انسان کو لے ڈوبتی ہے ۔

علامہ شبیر احمد عثمانی نے پارہ ۷ کی آخری آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں ۔ الغرض غلو و جفا اور افراط و تفریط کے درمیان متوسط اور معتدل راستہ اختیار کرنا چاہئے ۔ نہ تو لذائذ دنیوی میں غرق ہونے کی اجازت ہے جیسے یہود ، اور نہ از راہ رہبانیت مباحات اور طیبات کو چھوڑنے کی اجازت ہے جیسے نصاریٰ ۔ نیز مسلمان تو تقویٰ پر مامور ہیں ۔ جس کے معنی ہیں خدا سے ڈر کر ممنوعات سے اجتناب کرنا ۔ تجربہ سے معلوم ہے کہ بعض مباحات کا استعمال بعض اوقات کسی حرام یا ممنوع کی طرف مفضی ہو جاتا ہے ۔ ایسے مباحات کو عہد و قسم یا تقرب کے طور پر نہیں بلکہ بطریق احتیاط اگر کوئی شخص کسی وقت باوجود اعتقاد اباحت ترک کر دے تو یہ رہبانیت نہیں ۔ بلکہ ورع اور تقویٰ میں شامل ہے ۔

حدیث میں ہے :۔ لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا باس به حذرا مما به باس

ترجمہ :۔ بندہ اس وقت تک تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک ناجائز امور میں وقوع کے ڈر سے جائز امور نہ چھوڑ دے (ترمذی شریف)

اب آیئے موجودہ کھیلوں کی طرف ۔ شریعت نے ہر کھیل سے مطلقاً روکا ہے اور نہ کھلی چھٹی دی ہے بلکہ بعض کھیلوں کی طرف توجہ دلائی ہے ۔ مثلاً گھوڑ دوڑ ۔ تیر اندازی اور سپرا کی وغیرہ ۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں جن کھیلوں سے کچھ دینی یا دنیاوی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں وہ جائز ہیں بشرطیکہ انہیں فوائد کی نیت سے کھیلا جائے ۔ محض لہو و لعب کی نیت سے نہ ہو ۔ لیکن اس کی بازی پر کوئی معاوضہ یا انعام شروط مقرر کرنا جائز نہیں ۔ مثلاً گیند کا کھیل کہ اس سے جسمانی ورزش ہوتی ہے یا لاٹھی وغیرہ کے کھیل یا پہلوانوں کی کشتی وغیرہ

جو جہاد میں معین ہو سکتے ہیں۔ اس طرح معمہ بازی، شعر بازی اور تعلیمی تاش وغیرہ ہار جیت کی بازی لگانا جائز ہے مگر اس پر کوئی رقم معاوضہ کی مقرر کرنا جائز نہیں، بلکہ قمار ہے۔

مزید لکھتے ہیں۔ ایسے کھیل تماشے جس کے تحت کوئی مقصد یا فائدہ دین و دنیا کا نہیں ہے وہ سب ممنوع اور ناجائز ہیں خواہ ان پر بازی لگائی جائے یا انفرادی طور پر کھیلا جائے۔ پھر بازی پر کوئی رقم لگائی جائے یا نہیں اور رقم بھی دو طرفہ ہو یا یک طرفہ۔ بہرحال ایسے لغو کھیل شرعاً مطلقاً ناجائز ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

کل لھو المسلم حرام الا ثلاثۃ ملاعبتہ اھلہ وتادیبہ لفرسہ ومناضلتہ بقوسہ

کبوتر بازی۔ پتنگ بازی۔ بٹیر بازی۔ مرغ بازی۔ چوسر۔ شطرنج۔ تاش۔ کتوں کی ریس وغیرہ سب اس ناجائز صورت کے افراد ہیں۔

اب ذرا موجودہ کھیلوں پر غور کریں جو مغربی اقوام کی نقالی میں امت مسلمہ کو ملی ہیں۔ مثلاً ہاکی، کرکٹ، اسکواش، ٹیبل ٹینس وغیرہ۔ زیادہ سے زیادہ ان کھیلوں کو مباح کہہ دیں۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ ان کھیلوں میں دینی یا دنیاوی فائدہ ہو اور اسی نیت سے کھیلے جائیں لیکن ان کھیلوں کے اندر مشکل سے آپ کو دینی و دنیاوی فائدہ نظر آئے گا۔ اگر ہے بھی تو اس نیت سے کوئی نہیں کھیلتا۔ بلکہ محض تفریح، تضیع وقت اور قومی دولت کا نقصان ہے۔ دو ٹیمیں کھیلیں گی اور پورا ملک تماشائی ہوگا۔ کوئی گراؤنڈ کے اندر میچ دیکھ رہا ہے۔ کوئی ٹیلی وژن پر۔ بے پردہ عورتیں گراؤنڈ میں میچ دیکھتی ہیں۔ اخبارات اور ٹیلی وژن پر ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ ریڈیو سے رواں تبصرے نشر ہوتے ہیں۔ پوری قوم اس طرف متوجہ ہوتی ہے۔ گویا کہ آخرت کی ہار جیت ہے۔ کیا امت مسلمہ اس کام کے لئے مبعوث ہوئی تھی۔ ہرگز نہیں بلکہ ہر امتی کے ذمہ پوری امت کی فکر ہے۔ لیکن بدقسمتی سے آج کسی امتی کو اس کی فکر ہی نہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نص قرآنی سے ان کھیلوں پر روشنی ڈالیں:۔

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا
اولئک لھم عذاب عظیم

ترجمہ:۔ اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑائے ایسے لوگوں کو کہئے کہ ذلت کا عذاب ہے!

(بیان القرآن)

خلاصہ آیات میں مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:۔

سو اول تو لہو کا اختیار کرنا جب کہ مقرون بالاعراض عن آیات اللہ ہو خود ہی کفر اور ضلال ہے پھر خاص کر جب کہ اس کو اسی غرض سے اختیار کیا جائے۔ تاکہ اس کے ذریعہ سے دوسروں کو بھی اللہ کی راہ یعنی دین حق سے بے سمجھے بوجھے

حقیقت امر کے گمراہ کرے اور اس گمراہ کرنے کے ساتھ اس راہ حق کی ہنسی اڑائے تاکہ دوسروں کے دل سے بالکل اس کی وقعت اور تاثیر نکل جائے۔ تب تو کفر بر کفر اور ضلال کے ساتھ اضلال ہے تو ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔

فائدہ میں لکھتے ہیں۔ پس اس بنا پر جو شخص دین اسلام سے ضلال یا اضلال کا موجب بن جائے وہ حرام بلکہ کفر ہے اور آیت میں یہی مقصود ہے۔ آگے لکھتے ہیں دوسرے دلائل شرعیہ سے استدلال ثابت ہے کہ جو لہو اعمال فرعیہ شرعیہ سے باز رکھے یا کسی معصیت کا سبب ہو جائے وہ صرف معصیت ہے اور جو لہو کسی امر واجب کا فوت نہ ہو اور اس میں شرعی مصلحت بھی نہ ہو وہ مباح ہے لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے اور مسابقت فرس و مسابقت سہم و ملاعبت اہل میں چونکہ معتدبہ غرض تھی اس لئے حدیث میں اس کو لہو باطل سے مستثنیٰ فرمایا۔

(مولانا ذاکر حسن نعمانی)

نفاذ شریعت کے مساعی پر تاثرات

الحق اور دیگر جرائد و رسائل میں جناب کی مساعی جلیلہ کا ذکر پڑھ کر دل سے بے اختیار دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے۔ اور جو مساعی جلیلہ جناب پاکستان میں نفاذ شریعت اسلامیہ کے بارہ میں فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرما کر ان کو مؤثر بنائے۔ آمین

آپ کے اخلاص، تدبر اور تقویٰ کی برکت سے تمام مکاتیب فکر اور اب دینی تنظیموں کا اجتماع و اتحاد اور رہبر آپ کی دعوت کا تسلیم کر لینا یہ سب آپ کے اخلاص اور للہیت کی برکت ہے۔ کتنا اچھا ہوتا اگر علماء کرام گذشتہ انتخاب میں حصہ لے کر قومی اسمبلی میں پہنچ جاتے اور اسی طرح اخلاص اور اتحاد کے ساتھ آئینی طریقہ پہ نفاذ شریعت اسلامیہ کے لئے کوشش کرتے تو آج اثرات کچھ اور ہوتے۔

(مولانا قاضی) زاہد الحسینی (اٹک)

دکتورہ کے امتحان میں اعلیٰ کامیابی

بفضل اللہ العظیم وبتوفیقہ واحسانہ، اور پھر بزرگوارم کے مستجاب دعاؤں کے بدولت مدینہ یونیورسٹی میں دکتورہ کے امتحان میں درجۂ شرف اولیٰ کے ساتھ کامیابی نصیب ہوئی جس کے سلسلہ میں بزرگوارم کو سب سے پہلے مبارکباد پیش کر رہا ہوں۔ ناچیز کی یہ نمایاں کامیابی دارالعلوم حقانیہ کے ثمرات کثیرہ کے ایک ادنیٰ ثمرہ کی کامیابی ہے۔ جو حضرت والا کے مشفقانہ توجہات اور مقبول دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ مناقشہ پانچ گھنٹے مسلسل جاری رہا جس میں جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ کرام اور طلبہ اور مدینہ منورہ میں پاکستانی باشندوں میں اہل علم طبقہ کی اکثریت نے شمولیت کی۔

(مولانا) شیر علی شاہ (فاضل حقانیہ) مدینہ منورہ

محکمہ مواصلات و تعمیرات صوبہ سرحد

نوٹس برائے ٹھیکہ نیلامی ٹال ٹیکس

زیر دستخطی کو مقررہ فارموں پر مندرجہ ذیل پُلوں کے حقوق وصولیابی ٹال ٹیکس برائے میعاد ایک سال از یکم جولائی سنہ ۱۹۸۸ء تا جون سنہ ۱۹۸۹ء کے لئے سربمہر ٹینڈر مطلوب ہیں:۔

نمبر شمار	پُل کا نام	تخمینہ لاگت روپے	زر بیعانہ روپے	ٹینڈر کھولنے کی تاریخ
۱)	نوشہرہ پُل	-/۵۰,۰۰,۰۰۰	-/۱۰۰,۰۰۰	۸۸ - ۵ - ۲
۲)	خیر آباد پُل	-/۱,۰۰,۰۰,۰۰۰	-/۲۰۰,۰۰۰	۸۸ - ۵ - ۳

شرائط و ضوابط :

۱) درخواستیں برائے حصولِ ٹینڈر فارم اور ٹینڈر دستاویزات مندرجہ بالا پُلوں ٹال ٹیکس کی نیلامی کے لئے مورخہ ۸۸/۴/۳۰ کو -/۸ بجے سے -/۱۰ بجے تک وصول کی جائینگی۔ درخواست کے ساتھ شناختی کارڈ کی فوٹو سٹیٹ دینا لازمی ہوگی۔

۲) نوشہرہ پُل کے ٹینڈر فارم بمعہ ٹینڈر دستاویزات بعوض -/۷۰۰ روپے (ناقابلِ واپسی) مورخہ ۸۸/۵/۲ کو ۸.۰۰ بجے سے ۱۲.۰۰ بجے تک شیڈول بینک کی کال ڈپازٹ دکھا کر حاصل کی جاسکتی ہے۔ ٹینڈر فارم بمعہ ٹینڈر دستاویزات اسی دن ۱۲.۳۰ بجے تک وصول کئے جائینگے اور ۱۲.۴۵ تک کھولے جائینگے۔

۳) خیر آباد پُل کے لئے ٹینڈر فارم اور ٹینڈر دستاویزات بعوض -/۷۰۰ روپے (ناقابلِ واپسی) مورخہ ۸۸/۵/۳ کو ۸.۰۰ بجے سے ۱۲.۰۰ بجے تک شیڈول بنک کی کال ڈپازٹ دکھا کر حاصل کی جاسکتی ہے اور ٹینڈر فارم بمعہ ٹینڈر دستاویزات اسی دن ۱۲.۳۰ بجے تک وصول کئے جائینگے اور ۱۲.۴۵ تک کھولے جائینگے۔

۴) زر بیعانہ شیڈول بنک کی کال ڈیپازٹ بحق ایکسن ہائی وے ڈویژن پشاور قابلِ قبول ہوگی۔ نقد رقم قابلِ قبول نہیں ہوگی۔

۵) مشروط یا بذریعہ ڈاک / تار ٹینڈر قابلِ قبول نہیں ہونگے۔ آفیسر مجاز کو اختیار ہے کہ کوئی وجہ بتائے بغیر کوئی ایک یا تمام ٹینڈر مُسترد کردے۔

۶) کامیاب بولی دہندہ کو بولی کی کل رقم کا دس فی صد کے برابر سائٹ کا قبضہ لینے سے دس دن پہلے بنک گارنٹی پیش کرنی ہوگی۔

۷) کامیاب بولی دہندہ کو بولی کی کل رقم (۱۱) کے برابر اقساط میں جمع کرانی ہوگی۔ پہلی قسط سائٹ کا قبضہ لینے سے کم از کم ۱۰ دن پہلے جمع کرانی ہوگی اور بقیہ دس اقساط اگست سنہ ۱۹۸۸ء تا مئی سنہ ۱۹۸۹ء کی ہر یکم تاریخ کو جمع کرانی ہوگی۔

۸) کامیاب بولی دہندہ کو بولی کی رقم کی ہر قسط کے ساتھ مزید تین فی صد بطور انکم ٹیکس جمع کرانی ہوگی۔

۹) کامیاب بولی دہندہ کو سائٹ کا قبضہ ۳۰ جون اور یکم جولائی سنہ ۱۹۸۸ء کی درمیانی شب کو ۱۲:۰۰ بجے حوالہ کیا جائیگا۔

۱۰) دوسرے نمبر پر زیادہ بولی دہندہ کی کال ڈپازٹ کھولنے کی تاریخ کے ۱۰ دن بعد تک زیردستخطی کے دفتر میں رہیگی۔

۱۱) تمام بولی دہندگان کے لیئے مندرجہ بالا اور بقیہ ٹینڈر دستاویزات میں دیگر شرائط وضوابط کی پابندی لازمی ہوگی بصورتِ خلاف ورزی زربیعانہ بحق سرکار ضبط کرلی جائیگی۔

۱۲) دیگر شرائط وضوابط وتفصیلات دفترِ زیردستخطی میں اوقاتِ کار میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

دستخط: ایگزیکٹیو انجینئر

ہائی وے ڈویژن پشاور۔ فون نمبر: ۷۶۰۶۳

INF (P) 386-S

مولانا سیف اللہ حقانی

استفتاء

جہادِ افغانستان کی شرعی حیثیت

افغانستان کی موجودہ جنگ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ کیا واقعتہً یہ جہاد ہے اور اگر یہ جہاد ہے تو مجاہدین کے ہاتھوں لڑائی کے دوران افغانستان میں ٹھہرے ہوئے مسلمان اگر قتل ہو جائیں تو شرعاً اس کا حکم کیا ہے؟

حافظ نورالہادی   محب بانڈہ   مردان

الجواب :- افغانستان کا موجودہ جہاد بلا شک وشبہ شرعی جہاد ہے۔ جب کافر مملکت اسلامیہ کے کسی ایک سرحد پر حملہ آور ہوتا ہے تو الاقرب فالاقرب کے حکم کے مطابق جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور روس تو تمام افغانستان پر حملہ آور اور قابض ہوا ہے۔ تو افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کیونکہ شرعی اور فرض نہ ہو گا۔

لہٰذا افغانستان کا جہاد شرعی اور الاقرب فالاقرب کے حکم کے مطابق فرض عین ہے۔ اور اس میں شرکت باعث ثواب ہے۔

ردالمختار صہ ۲۴۰ ج ۳ میں ہے۔ وفرض عین ان ہجموا علی علی ثغر من ثغور الاسلام فیصیر فرض عین علی من قرب منہم وہم یقدرون علی الجہاد ونقل صاحب النہایہ عن الذخیرہ ان الجہاد اذا جاء النفیر الی قولہ فانہ یفترض علی من یلیہم فرض عین کالصلوٰۃ والصوم لا یسعہم ترکہ ثم وثم الی ان یفترض علی جمیع اہل الاسلام شرقا وغربا الخ

اگر مجاہدین کے حملہ علی الکفار میں کوئی مسلمان بلا قصد کے قتل ہو جائے تو کوئی وبال نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ صہ ۱۹۴ ج ۲ میں ہے:-

ولا بأس برمیہم وان کان فیہم مسلم اسیر او تاجر وان تترسوا بصبیان المسلمین او بالاساری لم یکفوا عن رمیہم ویقصدون بالرمی الکفار وما اصابوہ منہم لا دیۃ علیہم ولا کفارۃ۔

مولانا سیف اللہ حقانی

مفتی دارالعلوم حقانیہ

عبدالقیوم حقانی
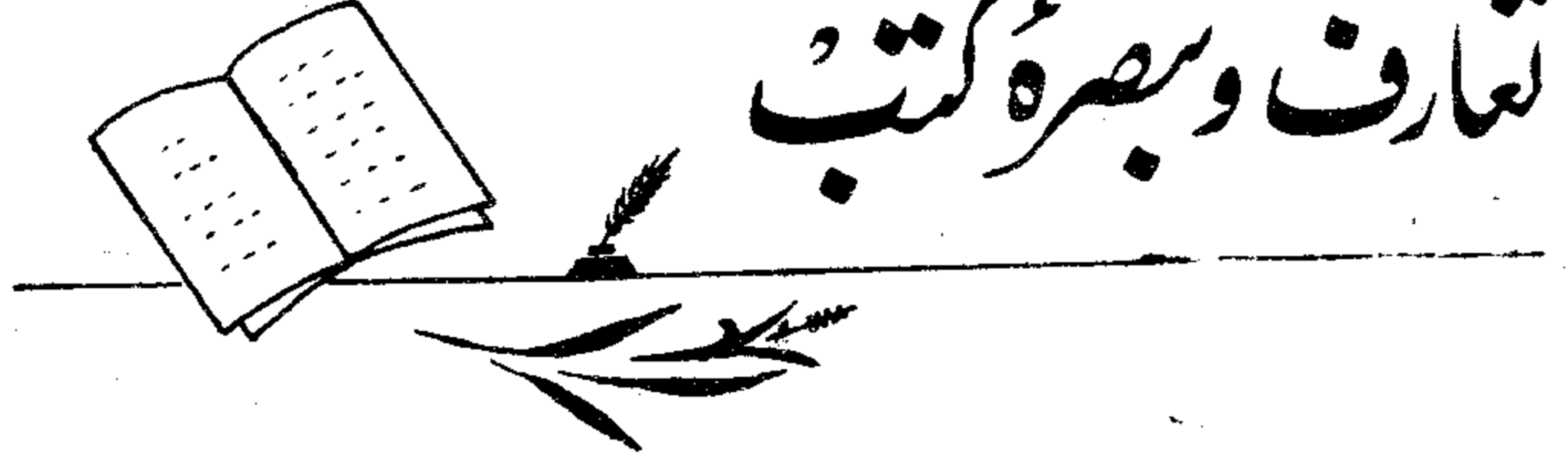
تعارف و تبصرۂ کتب

نورالالہام فی تفسیر سورۃ الانعام | تالیف : مولانا قاضی محمد زاھد الحسینی صاحب ضخامت : ۲۸۰ صفحات
قیمت : ۴۰ روپے ناشر : دارالارشاد ، مدنی روڈ ، اٹک شہر پنجاب

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب علمی اور دینی حلقوں میں علمی و روحانی خدمات اور اپنے بلند پایہ تصانیف کیوجہ سے متعارف ہیں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح کے خلیفۂ اجل اور شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی کے تلمیذ خاص ہیں رحمت کائنات ' تذکرۂ دیار حبیب ' یا محمد باوقار ' اور درس قرآن کی طرح آپ کا سلسلۂ آسان تفسیر بھی بے حد پسند کیا گیا ہے۔ پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلۂ تبلیغ و اشاعت کی ایک کڑی ہے جو نورالالہام کے نام سے سورۂ انعام کا ترجمہ اور آسان تفسیر ہے جسمیں قرآنی آیات کی تفسیر کرتے وقت اس مضمون کی دوسری آیات سے تفسیر القرآن بالقرآن کی صورت اختیار کی گئی ہے۔ ترجمہ میں شاہ رفیع الدین رح اور شاہ عبدالقادر رح کا طرز اختیار کیا گیا ہے ' فقہی اور لغوی ابحاث کی نسبت عام لوگوں کے عمومی فائدے اور رشد و ہدایت کو مدنظر رکھا گیا ہے ' متعدد اقوال کی صورت میں قرآنی کلمات سے قریب ' حضور اقدس ﷺ کے ارشادات ' اور جمہور علماء تفسیر کے اختیار فرمودہ قول کو ترجیح دیگئی ہے۔ تفسیری فوائد میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رح سے استفادہ کیا گیا ہے۔ علماء اور طلبہ کے علاوہ جدید تعلیم یافتہ احباب اور معمولی لکھے پڑھے لوگوں کے لئے بھی اس سے فائدہ اٹھانا اور قرآنی علوم و معارف سے بہرہ ور ہونا آسان ہوگیا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاضی صاحب کو اس سلسلہ آسان تفسیر کی تکمیل اور اس کی باقی جلدیں جلد منظر عام پر لانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

فرامین نبوی ﷺ ترجمہ و تشریح مکاتیب نبوی ﷺ | تالیف امام ابوجعفر دیبلی ، ترجمہ مولانا محمد عبدالشہید نعمانی
صفحات ۱۶۰ - قیمت ۱۰ روپے - ناشر - الرحیم اکیڈمی اے ۷/۷ - اعظم نگر پوسٹ آفس - لیاقت آباد کراچی ۱۹

امام ابوجعفر دیبلی تیسری صدی کے مشہور عالم ' صحاح ستہ کے مصنفین اور امام ابوجعفر الطحاوی کے معاصر ہیں ' اپنے وقت کے نامور محدث تھے۔ اسماء الرجال کی متعدد کتابوں میں محدثین کے ضمن میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ ابتدائی تعلیم بچپن میں حاصل کی پھر اس کی تکمیل کے لئے مکۃ مکرمہ منتقل ہو گئے۔ سیرت نبوی ﷺ کے اہم پہلو آپ کے مکاتیب کی

جمع وتدوین کے موضوع پر باقاعدہ دستیاب کتابوں میں ابو جعفر دیبلی کی اس کتاب کو سبقت اور اولیت حاصل ہے جو اپنے مابعد کی تمام کتابوں کے لئے نمونہ اور ماخذ کا کام دیتی رہی۔

مولانا عبدالشہید نعمانی جو علمی اور دینی حلقوں میں مقبول اور متعارف ہیں نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور مفصل حواشی تحریر کئے ہیں۔ جن سے علمی تحقیقات اور گراں قدر معلومات کا استفادہ ہوتا ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن غضنفر مالک الرحیم اکیڈمی نے عمدہ طباعت اور معقول قیمت کے ساتھ علمی و دینی حلقوں اور مطالعاتی ذوق رکھنے والے احباب کی خدمت میں یہ قیمتی سوغات پیش کردی ہے یقین ہے کہ ارباب ذوق اس کی قدر کریں گے۔

اللآلی المصنوعۃ فی الروایات المرجوعہ | تالیف مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہان پوری۔ صفحات ۸۴ قیمت ۹ روپے

پیش نظر کتاب بھی الرحیم اکیڈمی کی شاندار علمی اشاعت ہے۔ کتاب عربی زبان میں ہے جو دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی مولانا سید مفتی مہدی حسن کی تصنیف ہے۔ جس میں موصوف نے امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے وہ تمام منتشر اقوال جن سے ائمہ مذکورہ نے مسائل سے رجوع کیا تھا۔ نہایت جانفشانی اور جستجو سے جمع کئے ہیں پہلے حصہ میں امام اعظم کے اقوال ابواب فقہ کے تحت یکجا کئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں امام ابو یوسف اور تیسرے حصہ میں امام محمد کے اقوال نقل کئے ہیں۔ تینوں ابواب علمی اور تحقیقی لحاظ سے بصیرت افروز معلومات کا مرقع اور علمی تحقیقات کا گنجینہ ہیں۔ علماء۔ مدرسین، قضاۃ اور مفتیان کرام فقہ کے طلبہ اور تحقیقی اور فقہی کام کرنے والوں کے لئے اس کتاب سے استفادہ اور علمی عقدہ کشائیوں کا ذریعہ ہو گا۔ قیمت بھی معقول ہے امید ہے کہ اہل علم اس کی قدر کریں گے۔

نفحۃ العرب | از شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ۔ صفحات ۱۰۸۔ قیمت ۱۵ روپے۔

عربی ادب کی معروف اور اپنے موضوع پر جامع کتاب ہے۔ عربی ادب میں بہترین اسلامی اور اصلاحی مرقع ہے۔ تدریسی ضرورت کے پیش نظر خود مؤلف نے گراں قدر حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ وفاق المدارس کے نصاب میں اور اکثر دینی مدارس میں بھی داخل درس ہے۔ طباعت کی عمدگی اور بہترین معیار قابل تعریف ہے۔ اسے بھی الرحیم اکیڈمی نے شائع کیا ہے جس کے مالک جناب ڈاکٹر عبدالرحمٰن غضنفر صاحب اس لحاظ سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے موجودہ مہنگائی کے دور میں قیمتیں نہایت ہی معقول رکھی ہیں۔

دروس حرم | افادات: محمد خیر محمد حجازی (شیخ محمد مکی) صفحات ۲۰۰۔ ناشر دارالاشاعت

عصر حاضر میں دین متین کے خلاف بہت سی منظم تحریکیں سرگرم عمل ہیں۔ جو مسلمانوں میں شرک و بدعت کے مسموم اور مہلک عقائد کی ترویج کررہے ہیں۔ مگر الحمد للہ علماء امت نے ہر دور میں ان غلط نظریات کی تردید فرما کر امت مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ حضرۃ الشیخ محمد مکی نے مروجہ غلط عقائد اور فاسد نظریات کی تردید اور توحید و سنت کی تبلیغ! دروس حرم کی طباعت میں مساعی بھی اسی سلسلہ مبارکہ کی ایک کڑی ہے۔

حضرت الشیخ کے اس مشن کو آگے بڑھانے کا ذمہ ان کے فرزند ارجمند حضرت الشیخ محمد خیر محمد مکی حجازی جو شیخ محمد مکی کے لقب سے مشہور ہیں اپنے ذمہ لیا ہے اور اس محنت کے لئے شب و روز کوشاں ہیں۔ موصوف کے دروس کو افادۂ عام کے خاطر ان کے صاحبزادے عارف محمد خیر حجازی اور اس کے رفیق محمد صادق انجم صاحب نے بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ ضبط و مرتب کیا عام لوگوں کے لئے بھی کتاب شرک و بدعت اور رسومات کی رد میں بہترین کتاب ہے۔ بالخصوص مسئلہ توحید کے مختلف پہلوؤں پر قرآن و سنت کی روشنی میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ انداز تحریر سادہ سلیس اور سب کے لئے یکساں طور پر نافع ہے۔

تحریک مسجد شہید گنج | تالیف۔ مرزا جانباز۔ قیمت ۵۰ روپے

پتہ:- مکتبہ تبصرہ۔ ۴/۷ گلشن کالونی۔ بادامی باغ۔ لاہور

مرزا جانباز مشہور مورخ، صاحب قلم، علمی و دینی، احراری اور سیاسی حلقوں میں متعارف تو پہلے ہی سے تھے "حیات امیر شریعت" اور کاروانِ احرار جیسی عظیم تالیفات نے انہیں ایک عظیم مصنف کی حیثیت سے متعارف کرایا اور مستقبل کے اعتبار سے زندہ و جاوید بنا دیا۔ اب موصوف نے "تحریک مسجد شہید گنج" کے موضوع پر ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز مرتب کر کے شائع کردی ہے۔ کاروان احرار کی طرح یہ کتاب بھی تاریخی شخصیات کے تعارف، انگریز کی میکیاولی سیاست، مکر و فریب، سیاست دانوں کی وفاداریاں اور غداریاں مجلس احرار کا کردار اور سیاسی حکمت عملی، بعض اہم شخصیتوں کے تذکروں، خود مرتب کے تجزیوں و تبصروں کی وجہ سے گویا کاروانِ احرار کا تتمہ ہے۔ دینی اور شرعی نقطہ نظر سے اگر جگہ جگہ ذی روح تصاویر کے لگانے سے بھی اجتناب برتا جاتا تو کتاب کی معنویت اور برکات بھی دوبالا ہوتے۔

توقع ہے کہ قارئین اور علمی و دینی حلقے، مطالعاتی اور تحقیقی ادارے اور عام پبلک لائبریریاں کاروانِ احرار کی طرح تحریک مسجد شہید گنج کی بھی پذیرائی کریں گے۔